حقیقتِ زکوٰۃ

مولانا ابوالکلام آزادؒ

اسلام میں گردشِ دولت

سید ابوبکر غزنویؒ

حقیقتِ زکوٰۃ
مولانا ابوالکلام آزادؒ
اسلام میں گردشِ دولت
سید ابوبکر غزنویؒ
طارق اکیڈمی
ڈی گراؤنڈ (سوسہ چوک) فیصل آباد

- اہتمام .... محمد سرور طارق
- اشاعت .... جنوری 2003ء
- طباعت .... R.P.S پرنٹرز، لاہور

ناشر

TARIQ ACADEMY
D/Ground (samosa chok)
Faisalabad, PAKISTAN.
☎ 0092 41 546984 Fax:0092 41 733350
E-mail: tariqacademy1974@hotmail.com

دارالسلام

غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون 7120054 فیکس 7320703

فہرست

حرف چند زکوٰۃ...... بے مثال معاشی نظام

نماز کے بعد دینِ اسلام کا اہم ترین حکم ادائیگی زکوٰۃ ہے، قرآنِ مجید میں تقریباً 82 مقام پر زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے۔ فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق اسلامی معاشرہ ایک جسم واحد کی طرح ہے۔ اگر ایک عضو کسی دکھ درد کا شکار ہے تو سارا جسم اس کا درد محسوس کرتا ہے۔ اسلام نے زندگی کے باقی شعبوں کی طرح معاشی نظام کو بھی مکمل خیر خواہی اور ہمدردی کی بنیاد پر اس طرح ترتیب دیا ہے کہ کوئی بھوکا پیاسا نہ رہے، بیوہ اور یتیم، بے آسرا اور غریب احساسِ محرومی کا شکار نہ ہوں...... غرضیکہ معاشی تنگدستوں اور حاجت مندوں کی ضروریات کا کفیل ایک بہترین معاشی نظام...... زکوٰۃ ہے۔

نظامِ زکوٰۃ کی اصل غرض وغایت اس طرح بیان کی گئی ہے:

تؤخذ من اغنیائھم، فترد فی فقراء ھم (رواہ الجماعۃ)

"ان کے دولت مندوں سے وصول کی جائے اور پھر ان کے محتاج افراد میں تقسیم کی جائے"

رسول اللہ ﷺ نے اس بہترین معاشی نظام کو متعارف کروا کر ایسا معاشرہ تیار کیا جس میں محبت والفت، ایثار وقربانی، ہمدردی وخیر خواہی جیسی عظیم اخلاقی اقدار پیدا ہو گئیں اور انہی اعلیٰ قدروں کی بدولت خیر و برکت اور فراوانی کی وہ کیفیت پیدا ہوئی کہ اسلامی مملکت میں زکوٰۃ لینے والا نہ ملتا تھا۔

جو نظامِ زکوٰۃ کو قائم کرتے ہیں اللہ رب العزت نے ان کے بڑے

درجات بیان فرمائے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (البقرة:۲۷۷)

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے، نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کو ان کے کاموں کا صلہ اللہ کے ہاں ملے گا اور قیامت کے دن ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے"

بدقسمتی سے جس طرح دینِ اسلام کے باقی شعبوں میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہے اسی طرح زکوٰۃ جیسی اہم عبادت بھی بے ترتیبی کا شکار ہو گئی اور معاشرہ اس کے فیض اور برکتوں سے محروم ہو گیا ہے۔

مولانا آزادؒ بڑے دردِ دل سے جھنجھوڑ رہے ہیں کہ نماز کی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ایک اجتماعی عمل ہے اور اجتماعیت ہی سے اس میں برکت ہے۔

مولانا آزادؒ کے فکر کی سچائی کا اندازہ ان اعداد و شمار سے لگائیے!

"وطنِ عزیز پاکستان میں اب سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں کروڑ پتی موجود ہیں۔ ایک شخص جس کے پاس دس کروڑ روپے ہوں اس کی سالانہ زکوٰۃ پچیس لاکھ روپے بنتی ہے...... ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان کی سالانہ زکوٰۃ پانچ ارب روپے بنتی ہے۔ صرف ایک سال کی زکوٰۃ سے اگر اوسط درجے کے مکان تعمیر کیے جائیں تو دو لاکھ مکان تعمیر ہو سکتے ہیں۔ اتنی ہی رقم میں اگر یتیم اور بے سہارا بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا

مقصود ہو تو سارے ملک میں ایک سال کی زکوٰۃ سے تین سو ایسے مراکز تعمیر کیئے جا سکتے ہیں جس میں ایک لاکھ ستر ہزار بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا انتظام ہو سکتا ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر ملک میں صحیح طریقے سے نظامِ زکوٰۃ نافذ ہو جائے تو چند ہی سالوں میں پورے ملک میں عظیم معاشی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ (زکوۃ کے مسائل...... محمد اقبال کیلانی)

کس قدر المیہ ہے کہ ملک کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لئے گزشتہ پچاس سالوں میں نہ معلوم کتنے معاشی منصوبے زیرِ غور اور زیرِ عمل آئے لیکن کسی سے خیر برآمد نہ ہوئی۔ سوشلزم کی آندھی، سرمایہ داری کا طوفان لوگوں کی محرومیوں میں اضافہ کا باعث ہی بنا۔

"طارق اکیڈمی" اللہ کے فضل و رحمت سے برصغیر کے عظیم علمی و فکری رہنما ابوالکلام آزادؒ کے علم کو عام کرنے کے لئے ان کی تمام کتب کو جدید اعلیٰ معیار...... عربی، فارسی عبارتوں اور اشعار کے ترجمہ سے مزین کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہی ہے تاکہ عام لوگ بھی ان سے استفادہ کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حسنِ نیت اور حسنِ عمل کی گراں قدر نعمت سے نوازے اور علم کا نور پھیلانے کی ہماری کوششوں کو ہمارے اور ہمارے والدین کے لئے توشہ آخرت بنائے۔

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ○

محمد سرور طارق (ڈائریکٹر)

طارق اکیڈمی

10 جنوری 2003ء

زکوٰۃ

(قرآن کے آئینہ میں)

ادائیگی زکوٰۃ ایمان کی نشانی

﴿ فَإِنْ تَابُوا وَ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ آتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ (التوبة: ١١)

''جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ حقیقت میں وہی سچے مومن ہیں۔''

زکوٰۃ اللہ کی رحمت کا وسیلہ

﴿وَأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (النور: ٥٦)

نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور پیغمبر (محمد ﷺ) کے فرمان پر چلتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

زکوٰۃ آخرت میں کامیابی کی ضمانت

﴿آلٓمٓ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيْمِ ○ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○ أُوْلٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ

وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ (لقمان: ۱، ۵)

''الم۔ یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں ان نیک بندوں کے لئے ہدایت اور رحمت جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔''

زکوٰۃ نہ دینے والوں کا مال گلے کا طوق بنا دیا جائے گا

﴿لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ، سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (آلِ عمران: ۱۸۰)

''جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے مال و دولت دی ہے اور وہ بخیلی سے کام لیتے ہیں اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخل ان کے حق میں بہتر ہے، بلکہ یہ ان کے لئے بہت برا ہے، اس بخل سے جو کچھ وہ جمع کر رہے ہیں اسے قیامت کے دن طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔''

زکوٰۃ کی ادائیگی...... مال و دولت میں برکت

﴿وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴾ (الروم: ۳۹)

''اور جو زکوٰۃ تم لوگ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیتے ہیں، اس سے دراصل دینے والے اپنے مال میں اضافہ کرتے ہیں۔''

زکوٰۃ

(احادیث کی روشنی میں)

زکوٰۃ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ (بخاری)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''اسلام کی بنیادی پانچ چیزوں پر ہے (۱) اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) حج کرنا (۵) رمضان کے روزے رکھنا''

زکوٰۃ نہ دینے والا دوزخی ہے

وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَانِعُ الزَّكَاةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي النَّارِ (طبرانی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"زکوۃ" نہ دینے والا قیامت کے دن آگ میں ہوگا۔"

زکوۃ ادا نہ کرنے والے پر رسول اللہ ﷺ کی لعنت

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اٰكِلَ الرِّبَا وَ مُوْكِلِهِ وَشَاهِدَهُ وَكَاتِبَهُ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَمَانِعَ الصَّدَقَةِ وَالْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ (اصبہانی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سُود کھانے، گواہی دینے اور کتابت کرنے والے سب لوگوں پر لعنت فرمائی۔ نیز بال گوندھنے، گندوانے والی پر، زکوۃ ادا نہ کرنے والے پر، حلالہ نکالنے اور نکلوانے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔

زکوۃ ادا نہ کرنا......قحط سالی کا باعث

عَنْ بُرَيْدَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّكَاةَ اِلَّا ابْتَلَاهُمُ اللّٰهُ بِالسِّنِيْنَ (طبرانی)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" زکوۃ ادا نہ کرنے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قحط سالی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔"

نظامِ زکوٰۃ

دل کی دنیا، کانوں سے دور

پہلے میری آواز اس میدان میں ایک محدود حلقہ تک پہنچتی تھی۔ گزشتہ چند سالوں سے پورے میدان میں انجمن کی مساعی اور سائنس کی ایک مفید ایجاد کے ذریعے پہنچنے لگی۔ لیکن اس مرتبہ جیسا کہ مجھے یقین دلایا گیا ہے، میری آواز ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچ رہی ہے، بلکہ اس مرتبہ مجھے اس بات کا یقین دلایا گیا ہے کہ ہمالیہ کی چوٹیاں، سمندر کی موجیں اور صحرائے عرب کے بگولے بھی میری آواز کو روک نہیں رہے ہیں۔ بمبئی، کلکتہ سے تیرہ سو میل کے فاصلہ پر ہے، پشاور پندرہ سو میل دور ہے، لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تمہارے کانوں سے تمہارے دل کی دنیا کتنی دور ہے؟ میری آواز تمہارے کانوں کے پردے سے ٹکرا کر رہ جاتی ہے اور دل کوئی اثر قبول نہیں کرتا۔ وہ دل جس پر تم نے قفل چڑھا لئے حالانکہ میرے مخاطب تمہارے کان نہیں بلکہ تمہارے دل ہیں۔

غفلتوں کے قفل

۱۹۰۶ء میں والد مرحوم کی موجودگی میں سب سے پہلی مرتبہ اس مقام سے اس منبر سے میری ایک آواز جو حقیقت کی آواز ہے، بلند ہوئی اور آج مارچ

۱۹۳۶ء میں پورے تیس برس کا قرن جب کہ گزر چکا ہے، باستثناء چند سالوں کے جب کہ وقت کی اہم اور ملک کی نازک صورتِ حال نے جبراً مجھے کلکتہ سے دور و معذور رکھا تھا، میں اسی حقیقت کا اعادہ کرتا رہا ہوں اور تمہیں توجہ دلاتا رہا ہوں لیکن تم نے اب تک میری ایک بات نہ سنی۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں تمہارے دل کا نام نہیں لیتا، تمہارے کانوں تک اپنی صدائیں پہنچاتا ہوں، کیونکہ تم نے اپنے دلوں پر غفلتوں کے اتنے قفل چڑھا لئے ہیں کہ اس دل کو...... جسے تم آج عید کے پر تکلّف کپڑوں میں چھپائے بیٹھے ہو، مخاطب نہیں کر سکتا۔

حقیقت کی آواز

جانتا ہوں کہ تم نے ہمیشہ میری بات ٹھکرائی ہے، لیکن تم میری بات سے انکار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ میری بات سے انکار، حقیقت سے انکار ہے اور تم حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے۔ تم نے میری بات سے انکار کر کے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا، حقیقت سے انکار کر کے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ میں جو کچھ کہتا ہوں، سراسر حقیقت ہے۔ تم نے میری بات سے انکار کر کے اپنی اجتماعی عزّت کو صدمہ پہنچایا، حقیقت سے انکار کر کے کوئی شخص کسی طرح کی عزّت حاصل نہیں کر سکتا۔ سن رکھو کہ حقیقت میرے ساتھ ہے، حقیقت میری آواز ہے اور وہ کسی طرح ٹھکرائی نہیں جا سکتی۔ تم نے میری صبحِ شباب کی بات نہ سنی، تم نے میرے دورِ جوانی کی گفتگو نہ سنی، کیا اب شامِ زندگی کی نصیحت بھی نہ مانو گے؟

تیس سالہ غور و فکر کا نتیجہ

جس حقیقت کو ایک مدت سے میں تمہارے سامنے رکھتا آیا ہوں، آج پھر اسی حقیقت کو تمہارے کانوں تک پہنچاتا ہوں اور کیا اتنے بڑے انسانی ہجوم میں چند انسان بھی ایسے نہیں، جن کے دلوں کی صلاحیت اس حقیقت کو قبول کر سکے۔ میں پورے تیس برس کے غور و فکر کے بعد، جس کی کوئی صبح اور شام ایسی نہیں گزری کہ میں نے پوری توجہ اور پوری دلسوزی کے ساتھ غور و فکر نہ کیا ہو، اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کی اجتماعی فلاح و صلاح بجز اس کے کسی دوسرے معاملات پر موقوف نہیں ہے، جو قرآن کے ہر صفحہ پر لکھا ہوا تم دیکھو گے:

اِقَامَةُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءُ الزَّكٰوة...... قیامِ نماز اور ادائیگیٔ زکوٰۃ۔

اور یہی دو مسائل ایسے ہیں، جن کو تم نے سب سے زیادہ غفلت کے حوالے کر رکھا ہے، قرآن کریم نے اس مسئلہ پر سب سے زیادہ زور دیا، سب سے زیادہ تاکید کی، مگر آج انہی دو مسائل کو تم نے سب سے زیادہ پسِ پُشت ڈال دیا ہے۔ سب سے زیادہ غفلت (وہ غفلت، جو انکار تو نہیں، لیکن قریب انکار ضرور ہے) کی نذر کر دیا ہے۔

اسلامی برادری

حالانکہ کفر و اسلام کے امتیاز کے سلسلہ میں بھی اسی نماز و زکوٰۃ کو معیار قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ

فِي الدِّيْنِ ط (التوبة: ١١)

بہر حال اگر یہ باز آ جائیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں تو (پھر اُن کے خلاف تمہارا ہاتھ نہیں اُٹھنا چاہیے) وہ تمہارے دینی بھائی ہو گئے۔

وہ اگر پچھلی بداعمالیوں سے تائب ہو جائیں نماز پڑھیں اور زکوٰۃ کی پابندی کا اقرار کریں، تو وہ بھی تمہاری برادری میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔

انحصار و مدارِ اسلام

معلوم ہوا کہ شرطِ اسلام، انحصار و مدارِ اسلام، نیک عملی کے ساتھ ساتھ مشروط ہے قیامِ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ سے۔ غور کرو گے تو خود سمجھ لو گے کہ اسلامی اعمال و احکام قطعاً اجتماعیت کے حامل ہیں۔ اسلام اپنے حلقہ بگوش افراد سے خود انہی کے مفاد کے لئے چاہتا ہے کہ ان کا ہر عمل اجتماعی ہو۔ اسی لئے فرض قرار دیا گیا کہ نماز ہر مسلمان بہ استثنائے حالتِ مجبوری ہمیشہ جماعت کے ساتھ ادا کرے۔ اگر مشاغلِ معاش و ذرائع روزی مخل ہوں، تو لازم ہے کہ کم سے کم ایک وقت کی نماز ضرور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ ادا کرے۔

اسی طرح زکوٰۃ کے بارے میں بھی حکم ہے کہ مسلمانوں کی زکوٰۃ بھی اجتماعی صورت سے ادا کی جائے۔ کچھ پرواہ نہیں، اگر سارے شہر کی تنظیم نہیں ہو سکتی!

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اور میں آج اس غلط فہمی کی بھی تردید کر دوں جو بعض حلقوں میں ظاہر کی جا رہی ہے کہ اس کے لئے امارت کی شرط ہے۔ امارت کی قطعاً کوئی شرط نہیں۔ البتہ وہ

ایک اَولیٰ صورت ہے۔لیکن اگر امارت، حالات کے تقاضا یا ماحول کے اثر سے بعید الامکان یا ناممکن ہے تو اس چیز کو جائز یا ناجائز بہانہ بنا کر اللہ کے ایک واضح، صریح اور تاکیدی حکم میں لَیت ولعل، حیل وحجت یقیناً قابلِ سخت مؤاخذہ' قابلِ سخت وعید ہے۔

جو لوگ فرداً فرداً زکوٰۃ اپنے طور پر ادا کرتے ہیں، میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ درست نہیں ہے اور آج میں ایک قدم اور آگے بڑھتا ہوں اور اس منبر سے پوری ذمہ داری کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ صرف یہی نہیں کہ یہ زکوٰۃ جو انفرادی طور پر ادا کی گئی ہے، درست نہیں ہے، بلکہ صحیح اور اَصح یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ ہی نہیں ہے۔کوئی دوسرا نام دیا جا سکتا ہے۔زکوٰۃ کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

چھِنی ہوئی برکات کی واپسی

پس جب تک تم بحیثیت مسلمان، اجتماعی طور پر قرآن کے حکم اور منشائے فطرت کے ماتحت اپنے اعمال خصوصاً نماز وزکوٰۃ کو تنظیم کے ساتھ ادا نہیں کرتے، تم سے وہ تمام دینی برکات اور وعدے، جن کی تم کو تلاش ہے، ہمیشہ تم سے دور رہیں گے اور جس دن تم نے اجتماعی شکل اور اعمال میں اجتماعی حسنِ نظام پیدا کر لیا، یقین کرو کہ چھنی ہوئی تمام دولت تم کو پھر سونپ دی جائے گی۔

نظامِ زکوٰۃ

میں تم سے آج پھر تاکید کرتا ہوں کہ اپنے اعمال میں اجتماعیت کی صورت پیدا کرو، اٹھو اور ہر ہر قصبہ اور محلّہ میں کم سے کم پانچ آدمیوں کی ایک

جماعت بنالو۔ چھ بھی نہیں، صرف پانچ، جو زکوٰۃ کی تحصیل و تنظیم کریں اور اسے پوری ذمہ داری اور باقاعدگی کے ساتھ صرف کریں۔ تم دیکھو گے کہ بہت جلد پورا محلہ بلکہ پورا شہر تمہاری کمیٹی کا ممبر بن جائے گا اور یہ ایک قابلِ تقلید نمونہ بن جائے گا، جس پر عامل ہو کر خیر و برکت کے متلاشی اپنی سعادتوں اور گم شدہ متاع و دولتِ حشمت ڈھونڈیں گے۔ کیا تم میں ایسے پانچ دل بھی نہیں ہیں جو میری بات بگوشِ دل سن سکیں؟

فکری وسائل اور اجتماعی عمل

یاد رکھو! محض فکری وسائل سے تم اپنے کھوئے ہوئے وقار اور دولت کو حاصل نہیں کر سکتے۔ بنیادی چیز جس کو تم نے اپنی غفلتوں اور گمراہیوں کی نذر کر دیا ہے یعنی عمل اور عملِ اجتماعی، جب تک اس پر استوار اور مضبوطی کے ساتھ قائم نہیں ہوتے، تم کو اس وقت تک کھویا ہوا وقار یا چھنی ہوئی دولت واپس نہیں ہو سکتی۔

فکری وسائل کو محض دماغ کے اندرونی رنگ و روغن سمجھو، باہر کا رنگ و روغن نہیں ہے۔ باہر کی دیواریں جب ہی رنگین ہوں گی کہ عمل کا رنگ و روغن ابھر آئے اور عمل میں رنگ و روغن تب ہی پیدا ہوگا، جب جڑ اور بنیاد مضبوط رکھو گے۔

بامِ رفعت کی طرف

تم کسی درخت کو ہرا بھرا، سبز و شاداب رکھنے کے لئے شاخوں اور

پتوں میں پانی ڈالو گے تو درخت ہرگز سرسبز نہ ہوگا۔ البتہ اگر تم جڑ میں پانی دو گے اور اس کو ہرا ابھرا رکھو گے تو تمام درخت سرسبز و شاداب اور بار آور رہے گا۔ لہٰذا اگر تم اپنے کھوئے ہوئے وقار اور دولت کی واپسی کی کھوج میں ہو، اگر تم موجودہ پستی سے بامِ رفعت پر دوبارہ پہنچنا چاہتے ہو تو جڑ، بنیاد اور اصل کی شادابی کی فکر کرو یعنی اپنی نمازوں پر استوار ہو جاؤ اور اجتماعی شکل میں زکوٰۃ کی تنظیم و تقسیم پر قائم و عامل ہو جاؤ، کہ یہی دونوں اصل و بنیاد ہیں اور انہیں پر مضبوطی کے ساتھ قائم و عامل ہونے پر کھوئی ہوئی دولت کی واپسی کا مدار ہے:

هذا، وان احسن الكلام، كلام الله، الملك العلام ﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝﴾ (الزمر:۱۷،۱۸)

حقیقتِ زکوٰۃ

فریضۂ زکوٰۃ اور اس کی ضرورت

مصیبتِ کبریٰ

حُکمِ زکوٰۃ (ایک اعظم ترین فرائضِ مسلمین اور اہم ترین احکامِ شریعتِ حقۂ اسلامیہ میں سے ہے) اور اس کی فرضیت مثل فرضیتِ حج وصلوٰۃ وصیام، نصوصِ قطعیۂ شریعت اور تعاملِ غیر منقطع اہلِ اسلام سے ثابت ہے اور منجملہ ہمارے موجودہ مصائبِ عظیمہ کے ایک مصیبتِ کبریٰ یہ ہے کہ اس فرض کی طرف سے غفلت وتساہل بالعموم طاری وساری اور اس کے جمع وصرف کے لیے انتظام واہتمام کے وسائل مفقود۔ ہم نے گھر کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور دنیا کے دور ودراز گوشوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں!

یورپ اور اُس کے مصائب

آج ☆ یورپ میں مختلف مدارج وطبقات کے تصادم اور فقرا و عمّال ☆ کے افلاس ومصائب اور دولت کی عدم تقسیم ومرکزیت ☆ کی وجہ

☆ سب سے پہلی مرتبہ ۹ مئی ۱۹۱۳ء کو یہ تحریر شائع ہوئی۔

☆ آج کل عربی میں یورپ کی لیبر پارٹی کے لیے "حزب العُمّال" کا لفظ رائج ہے اور مزدوروں کے لیے "عُمّال" ہی کا لفظ زیادہ تر لکھا جاتا ہے۔

سے موجودہ ہیتِ اجتماعیہ اور معیشتِ مدنیہ کی بنیادیں ہل رہی ہیں۔ اشتراکیت (سوشلزم) کی اسی لیے پیدائش ہوئی اور فوضویہ (نہلزم) کے مہیب وجود کی تولید (پیدائش) اسی کا نتیجہ ہے۔ کل کی بات ہے کہ انگلستان میں مسٹر لائڈ جارج نے امرأ و اشراف کے ٹیکس کا مسئلہ اٹھایا تھا اور برطانیہ کے مزدوروں کی اصلاحِ حالت اور تقویتِ مالی کے مقصد نے ایک سخت ہنگامہ مچا دیا تھا!

یہ سب کچھ قوم کے مفلس حصے کی ضروریات کے پورا نہ ہونے ہی کا نتیجہ ہے۔ جرمنی اور بعض حصصِ امریکہ میں غُربا و محتاجین کے لیے حکومت اور قوم کے مشترک فنڈ قائم کیے گئے ہیں۔

کوآپریٹو سوسائٹیاں اور زرعی دیہاتی بنکیں جو آج قائم کی جا رہی ہیں، یہ بھی دراصل اسی ضرورت کا علاج ہے کہ قوم کے محتاج اور بے مایہ حصے کی اعانت کی جائے۔

اسلام اور مفاسدِ اجتماعیہ کا علاج

لیکن اسلام نے اپنے ظہور کے ساتھ ہی ان مفاسدِ اجتماعیہ و مدنیہ کا علاج کر دیا تھا۔ فریضۂ زکوٰۃ کی بہت بڑی مصلحت یہی تھی کہ اس کے ذریعہ قوم کے مفلس محتاج حصے کی ضروریات کا انتظام کیا جائے ...... نیز صدہا ملی احتیاجاتِ مالیہ کے لئے ایک دائمی خزینہ (فنڈ) مہیا ہو جائے۔

☆ (بقیہ حاشیہ) دولت کی ''مرکزیت'' یعنی دولت کا کسی ایک جماعت اور سوسائٹی کے طبقے میں جمع ہو جانا اور دیگر حصص و طبقات کا بالکل محروم رہنا، یہ حالت تمدن اور سوسائٹی کے لیے سخت ضرر رساں ہے۔ رومۃ الکبریٰ کے انقراض و تباہی کے اسبابِ اولیٰ میں سے ایک سبب یہ بھی تھا۔ اسلام کا قانونِ توریث اور تقسیمِ ورثا اسی مصلحتِ حکیمانہ پر مبنی ہے۔

اسلام نے ایک طرف تو سود حرام کیا، جو غریبوں اور محتاجوں کی زندگی کے لیے مہلک و سمِ قاتل تھا اور جس کے ذریعہ دولت مندوں کو ان پر جابرانہ و ظالمانہ تسلّط کا موقع مل جاتا تھا۔ دوسری طرف اس کے بدلے زکوٰۃ کو فرض کر دیا تاکہ جن احتیاجات کی وجہ سے غریب و محتاج طبقہ سود دینے پر مجبور ہو جاتا ہے، وہ پیش ہی نہ آئیں!

تشکیل و تنظیمِ فریضۂ زکوٰۃ

فی الحقیقت موجودہ زمانے کے وقت کے کاموں میں سے ایک اہم اور ضروری کام فریضۂ زکوٰۃ کی تعمیل اور اس کے جمع و خرچ کے انتظامات کی باقاعدہ تشکیل بھی ہے اور اس عاجز کے پیشِ نظر بعض کاموں میں اس کی تحریک بھی داخل ہے: وَكُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهٖ۔

مصائب کی اصلی وجہ

دراصل یہ تمام مصیبتیں اس لیے ہیں کہ ''امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' کے سلسلۂ حقّہ کا عملاً سدِّ باب ہو گیا ہے۔ علماء اپنے قدرتی فرائض کو بھلا چکے ہیں اور دارالشفاَ کے طبیب خود ہی بیمار اور محتاجِ اطبّاء ہیں۔ ایسی حالت میں کس کس بات پر روئیے اور کس کس کا ماتم کیجئے!

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کُجا کُجا نہم!

(سارا جسم داغ داغ ہے، مرہم کہاں کہاں رکھی جائے)

زکوٰۃ اور قرآن حکیم

مستحقینِ زکوٰۃ:

ارشاد ہوتا ہے: اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبة: ٦٠)

صدقہ کا مال (یعنی مالِ زکوٰۃ) تو اور کسی کے لیے بھی نہیں ہے صرف (۱) فقیروں کے لیے (۲) مسکینوں کے لیے (۳) ان کے لیے جو اس کی وصولی کے کام پر مقرر کیے جائیں (۴) وہ کہ ان کے دلوں میں (کلمۂ حق کی) الفت پیدا کرنی ہے (۵) وہ کہ ان کی گردنیں (غلامی کی زنجیروں میں) جکڑی ہیں (اور اُنہیں آزاد کرانا ہے)، نیز (۶) قرض داروں کے لیے (جو قرض کے بوجھ سے دب گئے ہوں، اور ادا کرنے کی طاقت نہ رکھیں) (۷) اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کے لیے اور ان تمام کاموں کے لیے جو مثل جہاد کے، اعلائے کلمۂ حق کے لیے ہوں) (۸) مسافروں کے لیے (جو اپنے گھر نہ پہنچ سکتے ہوں اور مفلسی کی حالت میں پڑ گئے ہوں) یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی بات ہے اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اپنے تمام حکموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

یہ آیت مصارفِ زکوٰۃ کے بارے میں اصل واساس ہے اور ضروری ہے کہ اس کی اہمیت واضح ترین الفاظ میں بیان کر دی جائے۔

احتیاج اور اس کی حدود

فقیر اور مسکین دونوں سے مقصود ایسے لوگ ہیں جو محتاج ہوں، لیکن فقیر عام ہے اور مسکنت کی حالت خاص ہے۔ فقیر اسے کہیں گے جس کے پاس ضروریاتِ زندگی کے لیے کچھ بھی نہ ہو۔ لیکن مسکین وہ ہے جس کی احتیاج ابھی اس آخری درجہ تک تو نہیں پہنچی، مگر پہنچ جائے گی اگر خبرگیری نہ کی جائے۔ مثلاً سوسائٹی کے ایسے افراد جو مختلف اسباب سے مفلس ہو گئے ہیں، یا وسائلِ معیشت کا اہتمام نہیں کر سکتے، ان کے جسم پر اجلے کپڑے ابھی باقی ہیں، گھر میں تھوڑا بہت سامان بھی نکل آئے گا، ممکن ہے دو چار روپے بھی جیب میں موجود ہوں۔ اگر انہیں آج کھانا نہ ملے تو بھوکے نہیں رہیں گے۔ کل نہ ملے تو برتن بیچ لیں گے، پرسوں نہ ملے تو کپڑے فروخت کر ڈالیں گے۔ لیکن پھر اس کے بعد؟ کوئی وسیلۂ معاش سامنے نہیں دیکھتے۔

فقیر اور مسکین میں اس لحاظ سے بھی فرق ہے کہ فقیر کو سوال کرنے میں عار نہیں ہوتا لیکن مسکین کو اس کی خودداری اور عفتِ نفس، طلب والحاح کی اجازت نہیں دیتی۔ صحیحین کی ایک حدیث میں خود آنحضرت ﷺ نے مسکین کی یہ تعریف کی ہے کہ:

الذی لایجد غنی یغنیه، ولا یفطن فیتصدق علیه،
ولا یقوم فیسأل النّاس (بخاری ومسلم)

(۱) جسے ایسے وسائل میسر نہیں کہ تو نگر کر دیں (۲) جس کا فقر ظاہر نہیں

کہ لوگ خیرات دیں (۳) جو خود سوال کے لیے کھڑا نہیں ہوتا کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔

اور پھر اسی حدیث میں سُورۂ بقرہ کی اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا کہ:

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۗ (البقرة:۲۷۳)

(۱) ان کی خودداری کا یہ حال ہے کہ ناواقف خیال کریں یہ تونگر ہیں، تم انہیں ان کے چہروں سے پہچان سکتے ہو، مگر وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کبھی سوال نہیں کرتے۔

وسعتِ حلقۂ مساکین

بلا شبہ ایسے علمائے دین جو سورۂ بقرہ کی آیت متذکرۂ صدر کے مصداق ہوں کہ:

اَلَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۔ (البقرة:۲۷۳)

یعنی دین کی تعلیم و خدمت کے لیے وقف ہو گئے ہوں اور فکرِ معیشت کے لیے وقت نہ نکال سکیں۔

مساکین میں داخل ہیں۔ بشرطیکہ انہوں نے تعلیمِ دین کو حصولِ زر کا پیشہ نہ بنالیا ہو یا یحتاج سے زیادہ نہ لیتے ہوں اور کسی حال میں خود سائل وسائی نہ ہوتے ہوں۔ نیز وہ تمام افراد جوان کی طرح خدمتِ دین و امت کے لیے وقف ہو جائیں اور معیشت کا کوئی سامان نہ رکھتے ہوں، اسی کے تحت آتے ہیں۔

یقینی مساکین

قوم کے ایسے افراد جن پر وسائلِ معیشت کی تنگی کی وجہ سے معیشت کے دروازے بند ہو رہے ہیں اور اگر چہ وہ خود پوری طرح ساعی ہیں، لیکن نہ تو نوکری ہی ملتی ہے، نہ کوئی اور راہِ معیشت نکلتی ہے، یقیناً مساکین میں داخل ہیں اور اس مدّ کے اولین مستحق ہیں، لیکن اس کا انتظام اس طرح ہونا چاہئے کہ ان کی خبر گیری بھی ہو جائے اور ساتھ ہی ان میں بیکاری کی عادت اور اپاہج پنا بھی پیدا نہ ہو۔ یہ بات نہ صرف انہی لوگوں کی اعانت میں، بلکہ تمام مستحقین کی اعانت میں ملحوظ رہنی چاہئے۔

حکمی مساکین

ایسے افراد جو خوشحال تھے، لیکن کاروبار کی خرابی کی وجہ سے یا کسی اور ناگہانی مصیبت کی وجہ سے مفلس ہو گئے ہیں، اگر چہ اپنی پچھلی حیثیت کی بناء پر معزز سمجھے جاتے ہوں، حکماً مساکین میں داخل ہیں اور ضروری ہے کہ اس مدّ میں سے ان کی بھی خبر گیری کی جائے۔

تصریحاتِ کتاب وسُنّت

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان مصارف کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ہر رقم ان سب میں وجوباً تقسیم کی جائے یا یہ ہے کہ خرچ ان ہی میں کی جاسکتی ہے؟ لیکن جس مصرف میں خرچ کرنا ضروری ہو، اسی میں خرچ کی جائے؟ تو اس بارے میں بعض فقہاء نے اختلاف کیا ہے لیکن جمہور کا مذہب

یہی ہے کہ تمام مصارف میں بیک وقت تقسیم کرنا ضروری نہیں، بلکہ جس وقت جیسی حالت اور جیسی ضرورت ہو، اسی کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور یہی مذہب قرآن وسنت کی تصریحات اور روح کے عین مطابق ہے۔ ائمہ اربعہ میں صرف امام شافعیؒ اس کے خلاف گئے ہیں۔

مصارفِ زکوٰۃ کی قدرتی ترتیب

یہ آٹھ مصارف جس ترتیب سے بیان کیے گئے ہیں، اگر غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ معاملہ کی قدرتی ترتیب بھی یہی ہے! سب سے پہلے ان دو گروہوں کا ذکر کیا ہے جو استحقاق میں سب سے زیادہ مقدّم ہیں، کیونکہ زکوٰۃ کا اوّلین مقصود انہی کی اعانت ہے، یعنی فقراء اور مساکین۔

پھر اس گروہ کا ذکر کیا ہے جس کی موجودگی کے بغیر زکوۃ کا نظام قائم نہیں رہ سکتا اور اس اعتبار سے اس کا تقدّم ظاہر ہے لیکن چونکہ اس کا استحقاق بالذات نہیں تھا، اس لیے اوّلین جگہ نہیں دی جا سکتی تھی، پس دوسری جگہ پائی "اَلْعَامِلِیْنَ عَلَیْهَا" یعنی جو لوگ مالِ زکوٰۃ وصول کر کے بیت المال میں جمع کرتے اور اس کے مصارف میں باقاعدہ صرف کرتے ہیں۔

پھر "الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ" کا درجہ ہوا کہ ان کا دل ہاتھ میں لینا ایمان کی تقویت اور حق کی اشاعت کے لیے ضروری تھا۔

پھر غلاموں کو آزاد کرانے اور قرض داروں کو بارِ قرض سے سبکدوش کرانے کے مقاصد نمایاں ہوئے، جو نسبتاً مؤقت اور محدود تھے۔

پھر فی سبیل اللہ کا مقصد رکھا گیا کہ اگر مستحقین کی پچھلی جماعتیں کسی

وقت مفقود ہوگئی ہوں، یا کم ہوگئی ہوں، یا مقتضیاتِ وقت نے ان کی اہمیت کم کر دی ہو، یا مالِ زکوٰۃ کی مقدار بہت زیادہ ہوگئی ہو، تو ایک جامع وحاوی مقصد کا دروازہ کھول دیا جائے، جس میں دین وامت کے مصالح کی ساری باتیں آجائیں۔

سب سے آخر میں ابن السبیل کی جگہ ہوئی۔ کیونکہ تقدم میں یہ سب سے کم اور مقدار کے لحاظ سے، بہت ہی محدود صورت میں پیش آنے والا مصرف تھا۔

فی سبیل اللہ کا مفہوم

قرآن کی اصطلاح میں وہ تمام کام جو براہِ راست دین وملت کی حفاظت وتقویت کے لیے ہوں، سبیل اللہ کے کام ہیں اور چونکہ حفظ وصیانتِ امت کا سب سے زیادہ ضروری کام دفاع ہے، اس لیے زیادہ تر اطلاق اسی پر ہوا۔ پس اگر دفاع درپیش ہے اور امامِ وقت اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ مدّ زکوٰۃ سے مدد لی جائے، تو اس میں خرچ کیا جائیگا۔ ورنہ دین وامت کے عام مصالح میں۔ مثلاً قرآن اور علومِ دینیہ کی ترویج واشاعت میں، مدارس کے اجرأ و قیام میں، دعاۃ و مبلغین کے قیام وترسیل میں، ہدایت وارشادِ امت کے تمام مفید وسائل میں ☆

☆ فقہاً ومفسرین کا ایک گروہ اسی طرف گیا ہے اور بعضوں نے تو اسے اس درجہ عام کر دیا کہ مسجد، کنواں، پل اور تمام اس طرح کی تعمیراتِ جزئیہ بھی اس میں داخل کر دیں۔

وقيل ان اللفظ عام فلايجوز قصره علىٰ نوع خاص ويدخل فيه جميع وجوه الخير من تكفين الموتىٰ و بناء الجسور و الحصون و عمارة المساجد و غير ذٰلك (نيل الاوطار)

کہا گیا ہے کہ لفظ عام ہے اور اسے کسی خاص نوع میں محدود کرنا جائز نہیں۔ اس میں مردوں کی تکفین سے لے کر مسجدوں، فصیلوں اور قلعوں کے بنانے تک نیکی کی تمام چیزیں داخل ہیں۔

فقہاءِ حنفیہ میں صاحب فتاویٰ ظہیریہ لکھتے ہیں (المراد طلبۃ العلم) اور صاحب بدائع کے نزدیک وہ تمام کام جو نیکی وخیرات کے لیے ہوں۔ اس میں داخل ہیں۔

اسلامی زندگی کی اولین شناخت

دنیا میں کوئی دین نہیں، جس نے محتاجوں کی اعانت اور ابناء جنس کی خدمت کی تلقین نہ کی ہو اور اسے عبادت یا عبادت کا لازمی جزو نہ قرار دے دیا ہو لیکن یہ خصوصیت صرف اسلام ہی کی ہے کہ وہ صرف اسی پر قانع نہیں ہوا بلکہ ہر مستطیع مسلمان پر ایک خاص ٹیکس مقرر کر دیا ہے جو اسے اپنی تمام آمدنی کا حساب کر کے سال بہ سال ادا کرنا چاہے اور پھر اسے اس درجہ اہمیت دی کہ اعمال میں نماز کے بعد اسی کا درجہ ہوا ہے اور قرآن نے ہر جگہ دونوں عملوں کا ایک ساتھ ذکر کر کے یہ بات واضح کر دی کہ کسی جماعت کی اسلامی زندگی کی سب سے پہلی شناخت یہی دو عمل ہیں: نماز اور زکوٰۃ۔

عدمِ تعمیل کی سزا

اگر کوئی جماعت بہ حیثیت جماعت کے انہیں یک قلم ترک کر دے گی تو اس کا شمار مسلمانوں میں نہ ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مانعینِ زکوٰۃ سے قتال کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

والله لا قاتلن مَن فرّق بين الصلوٰة والزکوٰة (متفق علیہ)

(اللہ کی قسم میں ہر اس شخص سے جہاد کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا)

زکوٰۃ کی غرض وغایت

پھر اس باب میں اس کی ایک دوسری خصوصیت بھی ہے۔ یعنی وہ علّت جو نہ صرف زکوٰۃ کے لیے بلکہ تمام صدقات وخیرات کے لیے قرار دی گئی اور جس

کی وجہ سے اس معاملہ نے بالکل ایک دوسری ہی نوعیت اختیار کرلی:

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ط (الحشر:۷)

(تاکہ ایسا نہ ہو مال و دولت صرف دولت مندوں کے گروہ ہی میں محصور ہو کر رہ جائے)

یعنی زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ دولت سب میں پھیلے، سب میں بٹے، کسی ایک گروہ ہی کی ٹھیکہ داری نہ ہو جائے اور اسی طرح سورۃ توبہ میں فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (التوبة:۳٤)

(جو لوگ چاندی سونا خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کے لیے اگر کوئی بشارت ہو سکتی ہے تو یہی کہ عذابِ دردناک کی بشارت دے دو!)

اور حدیث بعثتِ معاذ الی الیمن میں زکوٰۃ کا مقصد یہ فرمایا کہ:

تؤخذ من اغنیا ئھم ،فترد علی فقرآءھم۔ (رواہ الجماعة)

(ان کے دولت مندوں سے وصول کی جائے اور پھر ان کے محتاج افراد میں لوٹائی جائے)

قرآن اور ارتکازِ دولت

رُوحِ قرآن اور تقسیمِ ترکہ

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ قرآن کی روح ، دولت کے احتکار و اختصاص کے خلاف ہے، یعنی وہ نہیں چاہتا کہ دولت کسی ایک گروہ کی ٹھیکیداری اور اجارہ داری میں آئے ، یا سوسائٹی میں کوئی ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو دولت کو خزانہ بنا بنا کر جمع کرے۔ بلکہ وہ (قرآن) چاہتا ہے کہ دولت ہمیشہ

سیر و گردش میں رہے اور زیادہ سے زیادہ تمام افرادِ قوم میں پھیلے اور منقسم ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اس نے ورثا کے لیے تقسیم واسہام کا قانون نافذ کر دیا ہے اور اقوامِ عالم کے عام قوانین کی طرح یہ نہیں کیا کہ خاندان کے ایک ہی فرد کے قبضہ میں رہے۔ جونہی ایک شخص کی آنکھیں بند ہوئیں، اس کی دولت جو اس وقت تک تنہا ایک جگہ میں تھی، اب وارثوں میں بٹ کر کئی جگہوں میں پھیل جائے گی اور پھر ان میں سے ہر وارث کے وارث ہوں گے اور اسے بانٹتے اور پھیلاتے رہیں گے۔

تحریمِ سود کی حکمت

اور پھر یہی وجہ ہے کہ اس نے سود کا لین دین حرام کر دیا اور قاعدہ یہ ٹھہرایا کہ:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ط (البقرة: ٢٧٦)

اللہ سود کا جذبہ گھٹانا چاہتا ہے، خیرات کا جذبہ بڑھانا چاہتا ہے۔

یعنی یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ جس قوم میں سود کا جذبہ ابھرے گا، اس کے غالب افراد شقاوت ومحرومی میں مبتلا رہیں گے۔ جس قوم میں خیرات کا جذبہ ابھرے گا، اس کا کوئی فرد محتاج ومفلس نہیں رہے گا اور اسی لیے اس (قرآن) نے سود کے معاملہ کو اتنی اہمیت دی کہ فرمایا جو لوگ اس پر مُصر رہیں گے، وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلانِ جنگ کریں گے:

فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ج (البقرة:٢٧٩)

(ممانعت کے بعد بھی سود کے پیچھے پڑے رہے) تو پھر اللہ اور اس کے

رسول ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

کیونکہ اس معاملہ پر جماعت کی بنیادی فلاح موقوف تھی اور ضروری تھا کہ اسے ایمان وانقیاد کا معیار قرار دیا جاتا۔

انفاق فی سبیل اللہ کی حکمت

اور یہی وجہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں انفاق کا حکم دینے کے بعد متصلاً فرمایا:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَآءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ ○ (البقرة:٢٦٩)

وہ جسے چاہتا ہے، حکمت دے دیتا ہے اور جس کسی کو حکمت مل گئی تو یقین کرو، اس نے بڑی ہی بھلائی پائی اور صرف وہی لوگ جو عقل وبصیرت رکھنے والے ہیں، نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

یعنی یہ بات کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ دوسرے افرادِ جماعت کو دے دینا، کھو دینا اور ضائع کرنا نہیں ہے، بلکہ پالینا ہے اور یہ ایک بہت ہی دقیق بات ہے۔ اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو صاحبِ حکمت ہیں اور جس کسی نے حکمت کی دولت پائی تو اس نے بڑی سے بڑی بھلائی پالی۔ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ☆

☆ قرآن نے زکوٰۃ وصدقات کے باب میں جو کچھ کہا ہے، اس کے معارف ودقائق بے شمار ہیں، اور بدقستی سے مفسرین دوسرے گوشوں میں نکل گئے۔ یہاں تفصیل ممکن نہیں۔ اتنی باتیں بھی بلاقصد قلم سے نکل گئیں اور پھر طبیعت نے گوارا نہیں کیا کہ قلمزد کر دی جائیں۔ تفصیل کے لیے ''البیان'' کا انتظار کرنا چاہیے۔ سورۂ توبہ کی آیت:

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ (بقیہ اگلے صفحے پر)

اسلامی سوسائٹی کی نوعیت

قرآن وسنت کی تعلیمات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عملی زندگی کے مطالعہ کے بعد مجھے اس حقیقت کا پورا اِذعان ہو گیا ہے کہ اسلام کے بنائے ہوئے اجتماعی نقشہ میں دولت اور وسائل دولت کے احتکار اور اکتناز کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ احتکار یہ کہ دولت کا کسی ایک طبقہ ہی میں محصور ہو کر رہ جانا۔ اکتناز یہ کہ دولت کے بڑے بڑے خزانوں کا افراد کے پاس جمع ہو جانا۔ اس (قرآن) نے سوسائٹی کی نوعیت کا جو نقشہ بنایا ہے اگر ٹھیک قائم ہو جائے اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہو جائے گا، جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑ پتی ہوں گے، نہ مفلس و محتاج طبقے۔ ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری و ساری نظر آئے گی۔

بلا شبہ زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد موجود ہوں گے، کیونکہ سعی و کسب کے بغیر کوئی مومن زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا...... اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور بھی ہوگا اور اس لیے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائے گی، اتنی ہی زیادہ جماعت بہ حیثیت جماعت کے خوش حال ہوتی جائے گی۔ قابل اور مستعد افراد زیادہ سے زیادہ کمائیں گے، لیکن صرف اپنے ہی لیے نہیں کمائیں گے، تمام افرادِ قوم کے لیے کمائیں گے۔ یہ صورت نہ پیدا ہو سکے گی کہ ایک طبقہ

کی تفسیر تمام متداول تفاسیر میں پڑھو۔ "وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا" کی توجیہ میں کس قدر مشکلیں پیدا کر دی گئی اور پھر کیسے دور دراز حل نکالے ہیں؟ حالانکہ اگر "اکتناز" کے زور پر غور کیا ہوتا اور اس بارے میں قرآن وسنت کی روح پیشِ نظر ہوتی، تو معاملہ بالکل واضح تھا۔ بہر حال یہ محلِ اطناب نہیں۔

کی کمائی دوسرے طبقوں کے لیے محتاجی و مفلسی کا پیام ہو جائے، جیسا کہ اب عام طور پر ہو رہا ہے۔

اجتماعی مشکلات کا حل

یہ بات کہ قرآن کی تعلیم کے مطابق دنیا میں کس طرح کی مدنیت اور اجتماعیت پیدا ہو سکتی ہے؟ جس درجہ اہم ہے، اتنی ہی زیادہ دقیق بھی ہے۔ اگر مسلمان آج اور کچھ نہ کریں، صرف زکوٰۃ کا معاملہ ہی احکامِ قرآنی کے مطابق درست کر لیں تو بغیر کسی تامل کے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی تمام اجتماعی مشکلات و مصائب کا حل خود بخود پیدا ہو جائے گا۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ مسلمانوں نے یا تو احکامِ قرآنی کی تعمیل یک قلم ترک کر دی ہے، یا پھر عمل بھی کر رہے ہیں تو اس طرح کہ فی الحقیقت عمل نہیں کر رہے ہیں۔

زکوٰۃ کا شرعی نظام

زکوٰۃ اور اس کی ادائیگی

قرآن نے زکوٰۃ کا معاملہ ایک خاص نظام سے وابستہ کر دیا ہے اور اسی نظام کے قیام پر اس کے تمام مقاصد و مصالح کا حصول موقوف ہے۔ زکوٰۃ ایک ٹیکس ہے۔ بالکل اسی طرح کا ٹیکس ہے جس طرح آج کل انکم ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ پس اس کی ادائیگی کا طریقہ یہ نہ تھا کہ ہر شخص خود ہی اپنا ٹیکس نکالے اور خود ہی خرچ بھی کر ڈالے۔ بلکہ اس کا انتظام یہ تھا کہ حکومت اپنے کلکٹروں

کے ذریعہ ہر شخص سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرتی تھی اور پھر ضروریاتِ وقت کے مطابق جس مصرف کو مقدم سمجھتی تھی، اس میں خرچ کرتی تھی جب ایک شخص نے حکومت کے مقررہ عامل کو اپنی زکوٰۃ دے دی، اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی، چنانچہ اسی لیے کلکٹروں اور عاملوں کی تنخواہ کا بار بھی اسی فنڈ پر ڈال دیا گیا ہے اور صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے:

وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا۔

جو کارندے وصولی کے لیے مقرر ہوں ان کے ضروری مصارف (بھی اس فنڈ سے ادا کیے جائیں)

اگر ادائیگی کے لیے یہ بات ضروری نہ ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مصارف کی مدّ میں مستقلاً عمّالِ حکومت کا ذکر کیا جاتا۔

عُمّالِ حکومت کی اطاعت کا حکم

اور پھر یہی وجہ ہے کہ صاف وصریح لفظوں میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اس بارے میں عُمّالِ حکومت کی پوری پوری اطاعت کریں اور بلا عذر زکوٰۃ ان کے حوالہ کر دیں۔ حتیٰ کہ اگر عُمّال ظالم بھی ہوں، یا بیت المال کا روپیہ ٹھیک طور پر خرچ نہ ہو رہا ہو، تب بھی اصلاحِ حال کی سعی کے ساتھ، ادائیگی کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے۔ یہ نہیں کرنا چاہیے کہ بطورِ خود خرچ کر ڈالی جائے۔

بشر بن خصاصہ ﷜ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی:

ان قوما من اصحاب الصدقة يعتدون علينا۔

عُمّال کا ایک گروہ صدقہ لینے میں ہم پر زیادتیاں کرتا ہے کیا اس کا مقابلہ کریں؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "نہیں" (ابوداؤد)

حاکمِ وقت اگرچہ ظالم و جابر ہو

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں صاف موجود ہے:

ادفعوا الیھم ما صلوا۔

جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ انہیں دیتے رہو۔

بنوامیہ کے زمانہ میں جب نظامِ خلافت بدل گیا اور حکام ظلم و تشدّد پر اتر آئے تو بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ایسے لوگ ہماری زکوٰۃ کے کیوں کر امین سمجھے جائیں! لیکن تمام صحابہ نے یہی فیصلہ کیا کہ زکوٰۃ انہی کو دینی چاہئے۔ یہ کسی نے نہیں کہا کہ خود اپنے ہاتھ سے خرچ کر ڈالو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا زکوٰۃ کسے دیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: وقت کے حاکموں کو۔"

اس نے پھر عرض کی:

اذا یتخذون بھا ثیاباً و طیباً۔

وہ تو زکوٰۃ کا روپیہ اپنے کپڑوں اور عطروں پر خرچ کر ڈالتے ہیں!

آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا "وَاِنْ" اگرچہ ایسا کرتے ہوں مگر دو انہی کو۔ (ابن ابی شیبہ)

کیونکہ زکوٰۃ کا معاملہ بغیر نظام کے قائم نہیں رہ سکتا۔

شرعی نظام سے انحراف کی بنیاد

صدرِاوّل سے لے کر آخر عہد عباسیہ تک یہ نظام بلا استثناء قائم رہا۔ لیکن ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں کا سیلاب تمام اسلامی ممالک میں امنڈ آیا اور نظامِ خلافت معدوم ہو گیا، تو سوال پیدا ہوا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ فقہاءِ حنفیہ کے جس قدر شروح ومتون اور کتب وفتاوٰی آج کل متداول ہیں، زیادہ تر اسی دور میں یا اس کے بعد لکھے گئے ہیں۔ اس وقت پہلے پہل اس بات کی تخم ریزی ہوئی کہ زکوٰۃ کی رقم بطور خود خرچ کر ڈالی جائے۔ کیونکہ غیر مسلموں کو نہیں دی جا سکتی۔ مگر ساتھ ہی فقہاء نے اس پر بھی زور دیا کہ جن ملکوں میں اسلامی حکومت قائم نہیں رہی ہے اور اعادۂ حالت فوراً ممکن نہیں تو وہاں کے مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دیا گیا کہ کسی اہل مسلمان کو اپنا امیر مقرر کر لیں اور اپنی زکوٰۃ اس کے حوالے کر دیں، تاکہ اسلامی زندگی کا نظام قائم رہے، معدوم نہ ہو جائے۔

مسلمانوں کی غفلت

لیکن افسوس ہے کہ بعد میں بتدریج اس نظام کی اہمیت سے مسلمان غافل ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ یہ حالت ہو گئی کہ لوگوں نے سمجھ لیا، زکوٰۃ نکالنے کا معاملہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ خود حساب کر کے ایک رقم نکال لیں اور پھر جس طرح چاہیں خود ہی خرچ کر ڈالیں۔ حالانکہ جس زکوٰۃ کی ادائیگی کا قرآن نے حکم دیا ہے، اس کا قطعاً یہ طریقہ نہیں ہے اور مسلمانوں کی جو جماعت اپنی زکوٰۃ

بیت المال کے حوالے کرنے کی جگہ خود ہی خرچ کر ڈالتی ہے، وہ دیدہ و دانستہ حکم شریعت سے انحراف کرتی ہے اور یقیناً عند اللہ اس کے لیے جواب دہ ہوگی۔

انتخابِ امیر اور قیامِ بیت المال

اگر کہا جائے کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت موجود نہیں اس لیے مسلمان مجبور ہو گئے اور انفرادی طور پر خرچ کرنے لگے، تو شرعاً و عقلاً یہ عذر مسموع نہیں ہوسکتا۔ اگر اسلامی حکومت کے فقدان سے جمعہ ترک نہیں کر دیا گیا، جس کا قیام امام و سلطان کی موجودگی پر موقوف تھا۔ تو زکوٰۃ کا نظام کیوں ترک کر دیا جائے؟ کس نے مسلمانوں کے ہاتھ اس بات سے باندھ دیئے ہیں کہ اپنے اسلامی معاملات کے لیے ایک امیر منتخب نہ کریں ایک مرکزی بیت المال پر متفق نہ ہو جائیں، یا عقلاً ویسی ہی انجمنیں بنالیں۔ بے شمار غیر ضروری باتوں کے لیے بلکہ بعض حالتوں میں بدعات و محدثات کے لیے انہوں نے جا بجا انجمنیں بنالی ہیں۔

مسلمانوں کے لیے اصلی سوال

اسلام نے اجتماعی زندگی کا ایک پورا نقشہ بنایا تھا۔ جہاں اس کے چند خانے بگڑ گئے، سمجھ لو پورا نقشہ بگڑ گیا۔، چنانچہ اس ایک نظام کے فقدان نے مسلمانوں کی پوری اجتماعی زندگی مختل کر دی ہے لوگ اصلاح کے لیے طرح طرح کے ہنگامے بپا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں انجمنوں اور قومی چندوں کے ذریعہ وقت کی مشکلوں اور مصیبتوں کا علاج ڈھونڈھ نکالیں گے۔ حالانکہ مسلمانوں کے لیے

اصلی سوال یہ نہیں ہے کہ کوئی نیا طریقہ ڈھونڈ ھ نکالیں۔ سوال یہ ہے کہ اپنے گم گشتہ طریقہ کا کھوج نکالیں۔

درازیٔ شب و بیداریٔ من ایں ہمہ نیست
زبختِ من خبر آرید تا کجا خفت ست؟

(رات کا طویل ہونا اور میرا جاگتے رہنا، ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ میری قسمت کی خبر لاؤ کہ وہ کہاں سو گئی ہے)

ہلاکت آفریں خطرہ

اگر محض دولت مند افراد کے عطیوں اور قومی انجمنوں کے نظام سے قوم کا اقتصادی مسئلہ حل ہو سکتا تو آج یورپ اور امریکہ سے بڑھ کر کون ہے جو ان دونوں باتوں کا انتظام کر سکتا ہے؟ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کوئی قومی فنڈ اور کوئی قومی نظام بھی نچلے طبقوں کی بیکاری اور متوسط طبقہ کا افلاس روک نہ سکا اور اب اجتماعی مسئلہ کا ہلاکت آفریں خطرہ ان کے سروں پر منڈلا رہا ہے۔

اقتصادی بدحالی کا واحد علاج

اصل یہ ہے کہ افراد کی وقتی فیاضیاں کتنی ہی زیادہ ہوں، قوم کی اجتماعی زندگی کے قیام کے لیے کبھی کفیل نہیں ہو سکتیں۔ اس صورت حال کا علاج صرف وہی ہے جو اسلام نے تیرہ سو برس پہلے تجویز کیا تھا، یعنی قانون سازی کے ذریعہ قوم کی پوری کمائی کا ایک خاص حصہ کمزور افراد کی خبر گیری کے لیے مخصوص کر دینا چاہئے، تا کہ:

تؤخذ من اغنیاء ھم فترد علٰی فقراء ھم۔(رواہ الجماعۃ)

قوم کے آسُودہ حال لوگوں سے وصول کر کے غریب و مسکین لوگوں میں بانٹ دیا جائے۔

(۲) كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ (الحشر:۷)

تا کہ دولت، دولت مند لوگوں کی اجارہ داری نہ بن جائے۔

زکوٰۃ اور اس کی نوعیّت

زکوٰۃ اور انکم ٹیکس میں فرق

بہر حال یہ بات یاد رہے کہ زکوٰۃ کی نوعیّت عام خیرات کی سی نہیں ہے بلکہ اپنے پورے معنوں میں ایک انکم ٹیکس ہے جو اسلامی حکومت نے ہر کمانے والے فرد پر لگا دیا ہے۔ بشرطیکہ اس کی کمائی اس کی ذاتی ضروریاتِ زندگی سے زیادہ ہو۔ موجودہ زمانے کے انکم ٹیکسوں میں اور اس (زکوٰۃ) میں صرف دو باتوں کا فرق ہے:

ایک یہ کہ اپنی نوعیت میں یہ زیادہ وسیع ہے یعنی صرف کاروبار کی گھٹتی بڑھتی آمدنی ہی پر عائد نہیں ہوتا، بلکہ اندوختہ (جمع شدہ مال) پر بھی واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس سال کوئی نئی آمدنی نہ ہوئی ہو۔ نیز اس طرح تمام ملکیتیں بھی اس میں داخل ہیں جو بڑھنے کی استعداد رکھتی ہوں۔ مثلاً مویشی۔

دوسری یہ کہ مقصد کے لحاظ سے یہ ایک خاص مصرف رکھتا ہے، جس کی مختلف صورتیں معین کر دی گئی ہیں۔ اسٹیٹ کو حق نہیں کہ ان مصارف کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں خرچ کر سکے۔

یہود سے مشابہت

قرآن نے یہودیوں کی اس گمراہی کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے احکامِ شرع کی تعمیل سے بچنے کے لیے شرعی حیلے نکال لیے تھے افسوس کہ مسلمانوں میں بھی اس گمراہی نے سر اٹھایا۔ حتیٰ کہ حیلے کا معاملہ بعض کتبِ فقہ کا ایک مستقل باب بن گیا۔ ان میں سے ایک حیلہ زکوٰۃ کے باب میں بھی مشہور ہے۔ طریقہ اس کا یہ بتلایا جاتا ہے کہ جو شخص زکوٰۃ سے بچنا چاہے، وہ کسی آدمی سے بخش دینے اور بخشوا لینے کا فرضی معاملہ کر لے اور قبل اس کے کہ برس پورا ہو، اپنا تمام مال اس کے نام ھبہ کر دے۔ پھر وہ برس ختم ہونے سے پہلے وہی مال اس کے نام ھبہ کر دے گا۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ دونوں پر سے باوجود مالدار ہونے کے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ مثلاً شوہر نے اپنی بیوی سے رجب کے مہینے میں کہہ دیا میں نے اپنا مال تجھے ھبہ کر دیا۔ اس نے کہا: قبول۔ اب شوہر پر زکوٰۃ نہیں رہی۔ کیونکہ قبل اس کے کہ سال تمام ہو وہ صاحبِ نصاب نہ رہا۔ اگر بارہ مہینے گزر جائیں تو بیوی پر پڑ گئی، لیکن وہ بارہ مہینے کیوں گزرنے دیں گی! وہ جمادی الاولیٰ میں شوہر سے کہہ دے گی میں نے تمام مال اب تمہیں ھبہ کر دیا۔ اس طرح نیک بخت پر سے بھی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

قصہ کوتاہ گشت ورنہ دردِ سر بسیار بود!

(قصہ مختصر ہوا ورنہ یہ بڑے دردِ سر کا باعث تھا)

فسق و فجور کا انتہائی مرتبہ

لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ احکامِ شرع کی تعمیل میں اس طرح کی حیلہ

بازیاں نکالنا فسق و ضلالت کا انتہائی مرتبہ ہے اور جو شخص اس طرح کی مکاریاں کر کے احکامِ الٰہی سے بچنا چاہتا ہے، اس کی معصیت ان لوگوں سے بدر جہا زیادہ ہے۔ جو سیدھی سادھی طرح ترکِ اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ بات کہ ایک شخص سے جرم ہو گیا، محض جرم ہے مگر یہ بات کہ ایک شخص جرم کو بے جرمی و پاک عملی بنا کر کرتا ہے، صرف جرم ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ ہے، اور صرف اس کی عملی زندگی ہی کو نہیں بلکہ ایمان و فکر کو بھی تاراج کر دینے والا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جونہی اس طرح کے حیلوں کا چرچا پھیلا، تمام سلفِ امت نے اس پر انکارِ عظیم کیا، اور ائمہ و فقہاء میں کوئی بھی نہیں جس نے انہیں جائز رکھا ہو۔

زکوٰۃ و خیرات میں فرق

محتاج رشتہ داروں کی اعانت کا مسئلہ

ایک اور غلط فہمی اس باب میں یہ پھیل گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں، اپنے مفلس رشتہ داروں کی خبر گیری کا یہی طریقہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم سے ان کی مدد کی جائے۔

بلاشبہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ غیروں سے پہلے اپنے محتاج رشتہ داروں کی خبر لے اور قرآن نے صدقات و خیرات کے معاملہ میں جو اصلاحات کی ہیں، منجملہ ان کے ایک بڑی اصلاح یہ ہے کہ رشتہ داروں کی اعانت کو بھی خیرات قرار دے دیا ہے، بلکہ خیرات کا سب سے پہلا اور بہتر مصرف یہی رشتہ داروں کی امداد و اعانت شمار ہوا:

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ۔ (البقرۃ: ۲۱۵)

اے پیغمبر ﷺ! تم سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ خیرات کے لیے خرچ کریں تو کیا خرچ کریں؟ آپ ﷺ ان سے کہہ دو، جو کچھ بھی تم اپنے مال سے نکالو اور جب نکالو تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں، عزیز و اقارب ہیں۔

صلہ رحمی کا حق

لیکن زکوٰۃ جو خیرات کی ایک خاص قسم ہے، اس لیے واجب نہیں کی گئی ہے کہ لوگ خیرات کی دوسری قسموں سے ہاتھ روک لیں، اور اپنے محتاج رشتہ داروں کی مدد کا بوجھ بھی اسی پر ڈال دیں۔ زکوٰۃ وہی دے گا جو صاحبِ استطاعت ہو اور اگر ایک شخص خوشحال ہے اور اس کے رشتہ دار تنگی و محتاجی میں مبتلا ہو گئے ہیں، تو بہ حیثیت مسلمان ہونے کے اس کا فرض ہے کہ ان کی خبر گیری کرے اگر ان کی اعانت و خبر گیری نہیں کرے گا تو یقیناً عنداللہ جوابدہ ہوگا۔ کیونکہ صلہ رحمی کا حق اللہ کا ٹھہرایا ہوا حق ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ (النسآء: ۱)

(پس دیکھو، اللہ سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو، نیز قرابت داری کے معاملہ میں بے پروا نہ ہو جاؤ)

بلاشبہ اس کی یہ خبر گیری اس کے لیے خیرات کا بہترین عمل ہوگی لیکن خبر گیری ہر حال میں اس کا اسلامی فرض ہے۔ یہ طریقہ کسی حال میں بھی شرعی نہیں ہو سکتا کہ باوجود خوشحال ہونے کے اپنے رشتہ داروں کو فقر و فاقہ میں چھوڑ دیا

جائے اور پھر اگر کچھ دیا بھی جائے تو اسے زکوٰۃ کی مد میں شمار کرلیا جائے۔

مسلمانوں کی پوری زندگی غیر اسلامی

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے کوئی خاص اسلامی عمل ہی ترک نہیں کر دیا ہے، بلکہ ان کی پوری زندگی غیر اسلامی ہو گئی ہے۔ ان کی فکری حالت غیر اسلامی ہے، ان کی عملی رفتار غیر اسلامی ہے، ان کا دینی زاویہ نگاہ غیر اسلامی ہو گیا ہے۔ وہ اگر اسلامی احکام پر عمل بھی کرنا چاہتے ہیں، تو غیر اسلامی طریقہ سے' اور یہ دینی تنزّل کی انتہا ہے:

فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا۝ (النساء:۷۸)

ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ سمجھ بوجھ کے قریب بھی نہیں پھٹکتے؟

انفاق فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ

اسلامی زندگی کا لُبِّ لُباب

ایک عام اور سب سے مہلک غلط فہمی یہ پھیل گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں، زکوٰۃ دے دینے کے بعد انفاق و خیرات کے اور تمام اسلامی فرائض ختم ہو جاتے ہیں۔ جہاں ایک شخص نے رمضان میں اٹھنیوں اور روپیوں کی پڑیاں باندھ کر تقسیم کے لیے رکھ دیں، سال بھر کے لیے اسے ہر طرح کے انسانی و اسلامی تقاضوں سے چھٹی مل گئی!

حالانکہ ایسا سمجھنا، یک قلم اسلام کو بھلا دینا ہے۔ اسلام نے مسلمانوں

کو جس طرح کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے وہ محض اپنی اور اپنے بیوی بچوں کے پیٹ ہی کی زندگی نہیں ہے بلکہ منزلی، خاندانی، معاشرتی، جماعتی اور انسانی فرائض کی ادائیگی کی ایک پوری آزمائش ہے اور جب تک ایک انسان اس آزمائش میں پورا نہیں اترتا، اسلامی زندگی کی لذت اس پر حرام ہے۔

اس پر اس کے نفس کا حق ہے، اس کے والدین کا حق ہے، رشتہ داروں کا حق ہے، بیوی بچوں کا حق ہے کہ اپنی استطاعت اور مقدور کے مطابق یہ تمام فرائض ادا کرے اور اِنہیں فرائض کی ادائیگی پر اس کی زندگی کی ساری دنیوی اور اخروی سعادتیں موقوف ہیں:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ (النسآء:٣٦)

اور (دیکھو) اللہ کی بندگی کرو اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور چاہئے کہ ماں باپ کے ساتھ، قرابت داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، پڑوسیوں کے ساتھ خواہ قرابت والے پڑوسی ہوں، خواہ اجنبی ہوں ، نیز پاس کے اٹھنے بیٹھنے والوں کے ساتھ اور ان لوگوں کے ساتھ جو مسافر ہوں یا (لونڈی غلام ہونے کی وجہ سے) تمہارے قبضہ میں ہوں ان کے ساتھ احسان وسلوک کے ساتھ پیش آؤ۔

یہ تمام فرائض اس وقت تک ادا نہیں کیے جا سکتے جب تک کہ انفاق و

خیرات کے لیے انسان کا ہاتھ کشادہ نہ ہو جائے۔

منافق کی پہچان

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اعمال میں سے کسی عمل پر اتنا زور نہیں دیا جس قدر نماز اور انفاق پر، اور منافقوں کی سب سے بڑی پہچان اسی سورۃ میں یہ بتلائی کہ ان کی مٹھیاں بند رہتی ہیں انفاق کے لیے کھلتی نہیں:

وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ط (التوبة:٦٧)

(راہِ حق میں خرچ کرنے سے) اپنی مٹھیاں بند رکھتے ہیں۔

اور اگر کچھ دیتے بھی ہیں تو مجبور ہو کر:

وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كٰرِهُونَ٥ (التوبة:٥٤)

وہ (راہِ حق میں) مال خرچ نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ خرچ کرنے کی ناگواری ان کے دلوں میں بسی ہوئی ہے!

مومن کی پہچان

اور مومنوں کی نسبت فرمایا:

يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً۔ (البقرة:٢٧٤)

وہ لوگ رات کی تاریکی میں اور دن کی روشنی میں، پوشیدہ طور پر اور کھلے طور پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

مومن وہ ہیں جن کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہتا ہے، رات دن، پوشیدہ وظاہر ہر حال میں سرگرمِ انفاق رہتے ہیں۔

شیطانی خیال

نیز فرمایا! یہ شیطانی خیال ہے کہ خرچ کرنے سے ہم محتاج ہو جائیں گے، اور اس راہ میں بخل "فحش" ہے، یعنی سخت قسم کی برائی، اور اللہ انفاق کا حکم دے کر تمہیں مغفرت اور خوشحالی کی راہوں پر لگاتا ہے:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ط (البقرة:٢٦٨)

شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور برائیوں کی ترغیب دیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی راہ کی طرف دعوت دیتا ہے جس میں اس کی مغفرت اور فضل و کرم کا وعدہ ہے۔ (پس شیطانی وسوسوں پر کاربند نہ رہو، اللہ کی بتلائی ہوئی راہ اختیار کرو)

تعلیمِ قرآن سے اِعراض

پس یہ سمجھنا کہ جہاں سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ کا ٹیکس دے دیا، انفاق فی سبیل اللہ کے تمام مطالبات پورے ہو گئے، صریح قرآن کی تعلیم سے اعراض کرنا ہے۔ زکوٰۃ تو ایک خاص قسم کا ٹیکس ہے، وہ خاص مقصد کے لیے لگایا گیا ہے جو سال میں ایک مرتبہ دینا پڑتا ہے لیکن ہماری زندگی کا ہر چوبیس گھنٹہ ہم سے انفاق کا مطالبہ کرتا ہے اور اگر ہم اسلامی زندگی کا توشہ لے کر دنیا سے جانا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ حسب استطاعت اس کے تمام مطالبات پورے کریں۔

قرآن اور سوشلزم

مَفاسدِ سرمایہ داری و تقسیمِ دولت

دنیا میں دولت اور وسائلِ دولت کا احتکار اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ضروری تھا اس کا ردِ فعل پیدا ہو۔ چنانچہ اٹھارھویں صدی میں موجودہ سوشلزم کی بنیادیں پڑیں، اور اب اس نے کمیونزم کی انتہائی صورت اختیار کر لی ہے اور پندرہ برس سے روس میں اس کا اولین تجربہ بھی ہو رہا ہے۔ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کی تعلیم سرمایہ داری کے مفاسد مٹانا چاہتی ہے اور دولت کی تقسیم کی حامی ہے، تو کیا ایسا نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس کا رخ بھی اسی طرف ہے جس طرف سوشلزم جا رہا ہے؟ بلاشبہ ایسا سمجھا جا سکتا ہے لیکن ایک خاص درجہ تک اس کی حقیقت سمجھ لینی چاہئے۔

انفرادی ملکیت کا حق

اس کی دو صورتیں ہیں اور ضروری ہے کہ دونوں کا فرق ملحوظ رکھا جائے۔

ایک صورت یہ ہے کہ دولت اور وسائلِ دولت کا احتکار روک دیا جائے اور ہر کمانے والے فرد کو قانون سازی کے ذریعہ مجبور کیا جائے کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ کمزور افراد کے لئے نکالے' نیز اسٹیٹ کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے کہ کوئی فرد ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ

اصل بھی تسلیم کی جائے کہ معیشت کے لحاظ سے تمام افراد و طبقات کی حالت یکساں نہیں ہوسکتی اور یہ عدمِ یکسانیت اکثر حالتوں میں قدرتی ہے کیونکہ سب کی جسمانی و دماغی استعداد یکساں نہیں اور جب استعداد یکساں نہیں تو ناگزیر ہے کہ جدّ وجہدِ معیشت کے ثمرات بھی یکساں نہ ہوں، بالفاظِ دیگر انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کرلیا جائے کہ جو جس قدر حاصل کرسکتا ہے، وہ اس کا ہے۔

انفرادی قبضہ کا حق

دوسری صورت یہ ہے کہ صرف دولت کا احتکار ہی نہ روکا جائے، بلکہ دولت کی انفرادی ملکیت بھی ختم کردی جائے اور ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں اجباری قوانین کے ذریعہ اقتصادی اور معیشتی مساوات کی حالت پیدا کردی جائے۔ مثلاً وسائلِ دولت تمام تر قومی ملکیت ہوجائیں۔ انفرادی قبضہ باقی نہ رہے اور جسمانی و دماغی استعداد کے اختلاف سے معیشت کا مختلف ہونا بنائے حق تسلیم نہ کیا جائے۔

قرآن کا طریقِ کار

قرآن نے جو صورت اختیار کی ہے وہ پہلی ہے اور سوشلزم جس بات کے لیے کوشش کررہا ہے وہ دوسری ہے۔ دونوں کا مقصد یہ ہے کہ انسانی اکثریت کی شقاوت دور کی جائے۔ دونوں نے علاج بھی ایک ہی تجویز کیا ہے یعنی دولت کا اکتناز روکا جائے، لیکن دونوں کا طریق کار ایک نہیں۔ ایک اختلافِ معیشت سے تعرض نہیں کرتا اور اسے قائم رکھ کر راہ نکالتا ہے۔ دوسرا اسے مٹادینا

چاہتا ہے۔

اسلام اور سوشلزم کا نظریہ

اسلام اور سوشلزم کا یہ اختلاف اگرچہ محض درجہ (DEGREE) کا اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن تہہ میں مبدأ کا اختلاف بھی موجود ہے۔ سوشلزم کا نظریہ یہ ہے کہ مدارجِ معیشت کا اختلاف کوئی قدرتی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن قرآن میں اس طرح کے اشارات جابجا پائے جاتے ہیں کہ یہ اختلاف قدرتی ہے اور ضروری تھا کہ ظہور میں آئے۔ وہ کہتا ہے اگر یہاں سب کی حالت یکساں ہو جاتی، تو تزاحم و تنافس کی حالت پیدا نہ ہوتی، اور اگر یہ حالت پیدا نہ ہوتی تو انسان کی قدرتی قوتوں کے ابھرنے اور ترقی پانے کے لیے کوئی شے محرِّک بھی نہ ہوتی اور اجتماعی زندگی کی وہ تمام سرگرمیاں ظہور میں نہ آتیں، جن سے یہ تمام کارخانہ چل رہا ہے:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَٰٓئِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ ءَاتَىٰكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُۥ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ (الانعام:١٦٥)

اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا اور بعض کو بعض پر مرتبے دیئے، تاکہ جو کچھ تمہیں دیا ہے، اسی میں تمہیں آزمائے۔ بلاشبہ تمہارا پروردگار (بدعملیوں کی) فوراً سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ وہ بڑا ہی بخشنے والا رحمت والا ہے۔

15097

انسانی زندگی کے نشیب و فراز

اس آیت میں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

❶ اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کا کارخانہ کچھ اس طرح چلایا ہے کہ یہاں ہر گوشہ میں ایک طرح کی جانشینی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یعنی ایک فرد اور گروہ جاتا ہے، دوسرا فرد اور گروہ اس کی جگہ لیتا اور اس کے ثمرات و نتائجِ سعی کا وارث ہوتا ہے۔

❷ درجے کے لحاظ سے سب یکساں نہ ہوئے۔ بعض اوپر ہوئے بعض ان سے نیچے۔

❸ مدارجِ معیشت کی یہ بلندی و پستی اس لئے ہوئی تاکہ انسان کے عمل و تصرّف کے لیے آزمائش کی حالت پیدا ہو جائے اور ہر فرد اور ہر گروہ کو موقع دیا جائے کہ اپنی سعی و کاوش سے جو درجہ حاصل کر سکتا ہے حاصل کر لے۔ آخر میں فرمایا، اللہ کا قانونِ جزا سست رفتار نہیں۔ یعنی سعی و طلب کی اسی امتحان گاہ سے جزائے عمل کا معاملہ وابستہ ہے۔ جیسے جن کے اعمال ہوں گے ویسے ہی نتائج اس کے حصّہ میں آجائیں گے۔ اسی طرح جابجا قرآن میں پاؤ گے:

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ (النحل:۷۱)

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ۔ (الزخرف:۳۲)

دنیوی زندگی کی معیشت ہم نے لوگوں میں تقسیم کر دی، اور اس کا

کارخانہ ایسا بنادیا کہ سب ایک ہی درجہ میں نہیں ہیں۔کوئی کسی درجہ میں ہے اور کوئی کسی درجہ میں۔

قرآنی تعلیم کا نچوڑ

بہر حال قرآن نے اجتماعی مسئلہ کا جو حل تجویز کیا ہے، وہ یہ ہے کہ مدارجِ معیشت کی مساوات قائم کرنی نہیں چاہتا، لیکن حقِ معیشت کی مساوات قائم کرتا ہے، یعنی وہ کہتا ہے، یہ بات ضروری نہیں کہ سب کو ایک ہی طرح پر سامانِ معیشت ملے، لیکن یہ ضروری ہے کہ ملے سب کو......اور سعی وترقی کی راہ یکساں طور پر سب کے سامنے کھل جائے۔اس نے ہر طرح کے نسلی، خاندانی، جغرافیائی اور طبقاتی امتیاز مٹا دیئے، اس نے زندگی کے ہر میدان میں انسانی مساوات کا اعلان کر دیا، اس نے وہ تمام رکاوٹیں دور کر دیں جو سوسائٹی کے اونچے طبقوں نے کمزور افراد کی خوش حالی وترقی کی راہ میں پیدا کر دی تھیں۔اس نے قانون سازی کے ذریعہ دولت کا احتکار واختصاص روک دیا۔اس نے زندگی کے ہر گوشہ میں دولت کے اکتناز کی جگہ دولت کی تقسیم پر زور دیا۔اُس نے اس بات سے قطعاً انکار کر دیا کہ دولت مندی بجائے خود کوئی حق ہے۔اس نے بے اعتدالانہ سرمایہ داری کی تمام راہیں روک دیں۔اس نے سود کی ہر شکل حرام کر دی اس نے جوئے کو کسی حال میں جائز نہ رکھا پھر ان تمام باتوں سے بڑھ کر یہ کہ انسانی زندگی کے اعمالِ حق میں انفاق فی سبیل اللہ کو سب سے زیادہ نمایاں جگہ دی اور ہر کمانے والے فرد کو سالانہ ٹیکس کے ذریعہ مجبور کر دیا ہے کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ دوسروں کے لیے بھی نکالے۔پس یہ ایک نقشہ ہے جو اسلام نے اجتماعی نظام کا بتایا ہے۔

سوشلزم کا تقاضا

لیکن سوشلزم صرف اتنے ہی پر قانع نہیں رہنا چاہتا وہ آگے بھی بڑھنا چاہتا ہے، وہ انفرادی ملکیت کی جگہ قومی ملکیت کا نظام قائم کردیتا ہے اور مدارجِ معیشت کی اونچ نیچ معدوم کردیتا ہے۔ وہ یہ اصل تسلیم نہیں کرتا کہ احوالِ معیشت کا اختلاف قدرتی ہے اور اجتماعی زندگی کی سرگرمی و ترقی کے لیے محور و محرّک وہی ہے۔ وہ کہتا ہے اس وقت تک حالت ایسی ہی رہی ہے، لیکن اگر سوسائٹی کا نظام مساواتِ معیشت پر قائم کیا گیا تو دوسری طرح کی ذہنی اور معنوی محرّکات پیدا ہو جائیں گی اور کارخانۂ معیشت کی سرگرمی اسی طرح جاری رہے گی جس طرح اس وقت تک جاری رہی ہے۔

مشاہداتِ مافات

دنیا کا اس وقت تک کا تجربہ اس کے خلاف ہے اور روس کا نیا تجربہ بھی اس وقت تک اپنے نظریوں کو عملیت کا جامہ نہیں پہنا سکا ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ سوشلزم کو اس مطالبہ کا حق ہے کہ مزید تجربہ کا موقع دیا جائے:

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝ (ص:۸۸)

یقیناً تم اس کی حقیقت کو کچھ ہی وقت کے بعد (صحیح طور پر) جان لوگے۔

سبق آموزی کی توقع

بہرحال کلکتہ کے مسلمانوں کو میرا مشورہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقمیں اجتماعی طور سے خرچ کرنے کے لیے کوئی ایک نمائندہ جماعت یا متعدد نمائندہ جماعتیں

بنائیں اور کلکتہ میں اس کی پہلی مثال قائم کر دیں ان شاء اللہ العزیز یہاں کی دیکھا دیکھی اور شہروں میں بھی اس کی جماعتیں بن جائیں گی۔

فی زمانہ ادائیگی زکوٰۃ

......ہر اسلامی حکم میں انفاق کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ انفاق کے معنی یہ ہیں کہ اسلام تمہاری جیبوں سے کچھ لینا چاہتا ہے۔ حج، زکوٰۃ اور دوسرے احکام میں بھی یہی بات پاؤ گے۔ تفصیل کا موقع نہیں۔

عید کے موقع پر تم لوگوں میں سے بہت سے لوگوں نے فطرانہ دے دیا ہوگا اور بہت سے لوگ فطرانہ دیں گے لیکن میں کہوں گا کہ تم میں فطرانہ، صدقہ اور زکوٰۃ تقسیم کرنے کا طریقہ اچھا نہیں ہے میں دیکھتا ہوں کہ اس موقع پر ہندوستان کے ہر گوشہ سے بھیک منگے اور گداگر اپنی جھولیاں پھیلائے کلکتہ پہنچ جاتے ہیں اور سال بھر کی روٹیاں جمع کر کے واپس گھروں کو چل دیتے ہیں۔

اسلام اور انگریزی حکومت کا ٹیکس

......تم جانتے ہو زکوٰۃ کیا ہے؟ ایک انکم ٹیکس ہے جو اسلام کے ہر اس آدمی پر عائد ہے جس نے کھا پی کر ایک خاص رقم جمع کر لی ہو۔ اسلام کی زکوٰۃ یعنی ٹیکس یہ ہے کہ جس آدمی نے سال بھر میں چالیس روپے جمع کر لیے ہوں وہ ایک روپیہ ٹیکس داخل کرے۔

انگریزی حکومت بھی انکم ٹیکس وصول کرتی ہے لیکن اس ٹیکس اور اسلامی

ٹیکس میں یہ فرق ہے کہ حکومت ٹیکس لے کر اپنے کاموں میں خرچ کرتی ہے اور اسلام ٹیکس کی رقمیں غربا، مساکین اور محتاجوں میں تقسیم کرا دیتا ہے۔ اسلام نے ٹیکس کی رقموں کو خرچ کرنے کے لیے آٹھ حلقے بنائے ہیں۔

......قرآنِ حکیم میں زکوٰۃ کا صاف اور صریح حکم موجود ہے۔ اللہ نے زکوٰۃ صاحبِ نصاب پر فرض کی ہے۔ قرآنِ حکیم میں نماز اور زکوٰۃ کا ایک ساتھ بار بار ذکر آیا ہے لیکن ہندوستان کے مسلمان اس اہم فرض کی واجبی ادائیگی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ تم میں سے بعض لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے لیکن یہ زکوٰۃ دینے والے بھی نہ دینے والوں کے برابر ہیں۔ کیونکہ اسلامی احکام کے مطابق زکوٰۃ نہیں دیتے۔

تعیینِ زکوٰۃ میں آسانیاں

تم کو معلوم ہے کہ انکم ٹیکس وصول کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے کلکٹر مقرر ہوتے ہیں جو دفاتر اور کھاتوں کی جانچ پڑتال کر کے ٹیکس کی رقمیں متعین کرتے ہیں۔ لیکن اسلامی ٹیکس یعنی زکوٰۃ نکالنے میں اس قسم کی کوئی صورت نہیں پیش آتی، اسلام نے اپنے ٹیکس کی ادائیگی میں تمہیں کتنی آسانیاں دے رکھی ہیں۔ تم خود اپنے کاروبار اور اپنی آمدنی کا جائزہ لو اپنی آمدنی کا تعین کرو اور اپنے ہی ہاتھ سے زکوٰۃ نکالو......کیا اس سے زیادہ آسانیاں ممکن ہیں؟

زکوٰۃ دینا نہ دینا برابر

......یقین مانو کہ تم میں سے جو لوگ زکوٰۃ نکالتے ہیں وہ اسلامی احکام

کے مطابق نہیں نکالتے اور وہ ان لوگوں کے برابر ہیں جو زکوٰۃ نکالتے ہی نہیں' تمہاری زکوٰۃ کی رقمیں برباد جاتی ہیں۔ اسلام نے زکوٰۃ کی رقموں کو اجتماعی طور سے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور تم اپنے انفرادی ہاتھوں سے خرچ کر رہے ہو۔

اسلام کا حکم' صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اور تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ زکوٰۃ کی رقمیں اجتماعی طور سے خرچ ہونی چاہئیں۔ انفرادی طور سے خرچ کرنے کی بنیاد خلفائے راشدین کے بعد پڑی۔

صحابہؓ کے طرزِ عمل کا ایک واقعہ

تم کو معلوم ہے کہ خلفائے بنوامیہؒ کے ابتدائی دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ سوال پیش ہوا کہ موجودہ خلیفہ بہت ہی فاسق وفاجر ہے۔ زکوٰۃ کی رقمیں بیت المال میں کیونکر بھیجی جائیں؟ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس امر پر اتفاق کر لیا کہ خلیفہ کے فسق وفجور سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی خلل نہیں آتا۔ زکوٰۃ کی رقمیں اسی خلیفہ کو بھیجی جائیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ عباسی دور حکومت میں جب تاتاری کافروں اور مشرکوں نے بغداد پر قبضہ کر لیا اور خلافت کا خاتمہ کر ڈالا اس وقت کے مسلمان اعیان واکابر نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر موجودہ حالات کے ماتحت حکومت نہیں بدلی جاسکتی تو حکومت سے درخواست کی جائے کہ ہماری زکوٰۃ کی رقمیں وصول اور تقسیم کرنے کے لیے قاضی اور عُمّال مقرر کر دے۔

مخالفین کا عذر

بعض لوگ یہ عذر لا سکتے ہیں کہ چونکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت

نہیں ہے اس لیے زکوٰۃ کی اجتماعی تقسیم کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ عذر بالکل لنگ اور بے بنیاد ہے۔ تمہارا کون سا کام ہے جو رکا رہتا ہے؟ اس حالت میں بھی تم اگر اجتماعی تقسیم کا انتظام کر سکتے ہو تو یہ عذر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ تم فضول لغو اور غیر اسلامی کاموں کے لیے آئے دن انجمنیں بناتے رہتے ہو۔ کیا ایک اسلامی کام کے لیے کوئی ایسی انجمن نہیں بنا سکتے جو تمہاری زکوٰتوں کو اسلامی طریقہ پر خرچ کر سکے؟

اجتماعی زندگی کا نقشہ بدل گیا

دراصل بات یہ ہے کہ یہاں اسلام کا نقشہ ہی بدل گیا ہے۔ اسلام اجتماعی زندگی کا ایک مکمل نقشہ پیش کرتا ہے اور وہ نقشہ بدل چکا ہے۔ جس طرح تم مکان بناتے ہو اس میں مختلف خانے ہوتے ہیں۔ کوئی خانہ سونے کا ہوتا ہے' کوئی باورچی خانہ ہوتا ہے' کوئی سامان رکھنے کا خانہ ہوتا ہے۔ ایک انسان اپنے تمام کاموں کے لیے اگر ایک ہی خانہ کا تعین کر لے اور دوسری ضرورتوں کے لیے اس کا کوئی خانہ نہ ہو تو بتاؤ وہ گھر کا صحیح لطف اٹھا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں...... اسی طرح جب تک تم اسلام کے تمام خانوں کو سامنے نہیں رکھو گے اس کے فیوض و برکات سے لطف نہیں اٹھا سکتے۔

جامع و اکمل اصولِ اسلام

دراصل مسلمانوں نے اسلامی احکام کو چھوڑ دیا ہے۔ البتہ ان میں نمائشی اور بے روح سرگرمیاں باقی رہ گئی ہیں۔ ایک زکوٰۃ ہی کے حکم کو دیکھو اگر مسلمان

اس پر عامل ہوتے تو آج ان کی یہ حالت نہ ہوتی۔ ... م کا اتنا جامع اور اکمل اصول ہے کہ دنیا کا کوئی قانون اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسلام نے زکوٰۃ کا حکم اس لیے دیا ہے کہ اس سے غربا، مساکین اور محتاجوں کی امداد ہوتی رہے۔

مسلم و کافر کی پہچان

اسلام نہیں چاہتا کہ ساری دولت چند لوگوں کے ہاتھوں میں جمع رہے۔ اسلام نے مسلمانوں کی یہ پہچان بتائی ہے کہ ان کی مٹھیاں کھلی رہتی ہیں یعنی وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہوتے ہیں اور کافروں کی پہچان یہ بتائی ہے کہ ان کی مٹھیاں بند ہوتی ہیں یعنی وہ نیک کاموں پر خرچ نہیں کر سکتے۔ اسلام نہیں چاہتا کہ دولت کسی شخص کی اجارہ داری میں آ جائے یا کوئی شخص اپنے پاس ڈھیر لگا لے۔ اسلام ڈھیر کا سخت مخالف ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ دولت تقسیم ہوتی رہے۔ اس کا یہ اصول زکوٰۃ اور وراثت میں بالکل مساوی بنیاد پر قائم ہے۔

اجتماعی طور پر خرچ کرنے کے فوائد

تم جانتے ہو کہ اجتماعی طور سے خرچ کرنے میں اسلامی احکام کی بجا آوری کے علاوہ کیا فوائد ہیں؟ کاش! میں اس کے فوائد سمجھانے کے لیے اپنا دل چیر کر تمہارے سامنے رکھ دوں ...... اور تم اس کی رگوں کو پڑھ سکو۔ میں بالکل یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر مسلمان اسلام کے اصولوں کی پابندی نہ کریں اور صرف زکوٰۃ ہی کے اصول پر پابند رہیں جب بھی ان کی حالت بہت جلد بدل

سکتی ہے۔ اگر تم نے زکوٰۃ کی رقموں کو اجتماعی طور سے خرچ کرنے کا فیصلہ کرلیا تو یقین جانو کہ 24 گھنٹہ کے اندر تمہاری حالت کیا سے کیا ہوسکتی ہے!

خلاف ورزیٔ اسلام

میں یہ نہیں کہتا کہ تم جن فقیروں، جن ملاؤں، جن پیروں اور جن لوگوں کو دیتے ہو، نہ دو۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ اجتماعی ہاتھوں سے دو۔ انہی لوگوں کو دو جنھیں تم دیتے ہو لیکن انفرادی ہاتھوں سے نہ دو، اجتماعی ہاتھوں سے دو۔ اگر تم انہی لوگوں کو اجتماعی ہاتھوں سے دے سکتے ہو تو تمہیں کیا ضد ہوگئی ہے کہ انفرادی ہاتھوں سے دے کر اسلامی احکام کے خلاف کام کرتے ہو؟

مولانا کا مشورہ

میں کم سے کم کلکتہ کے مسلمانوں کو مشورہ دوں گا کہ وہ کوئی ایسی جماعت بنائیں جو ان کی زکوٰتوں کا صحیح مصرف کرسکے اور اس میں ہر طبقہ اور ہر جماعت کے نمائندے شریک ہوں یا ہر طبقہ میں اس کی جماعت بنائی جائے جو اس طبقہ کی زکوٰۃ کی رقمیں اسلام کی بنائی ہوئی حدود کے اندر خرچ کرسکے۔

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری رقمیں ان لوگوں پر خرچ کی جائیں جنہیں تم دینا چاہتے ہو تو یہ کرسکتے ہو کہ اپنی جمعیت کو ان اشخاص کے ناموں کی اطلاع کردو۔

اسلام میں گردشِ دولت

سید ابوبکر غزنویؒ

واکس چانسلر بہاولپور یونیورسٹی

اسلام میں گردشِ دولت

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی معاشرے میں نظمِ معیشت بگڑتا ہے اور دولت چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ آتی ہے، اس معاشرے کے لیے سب سے اہم مسئلہ یہ ہو جاتا ہے کہ زندگی کی ضروریات کیسے میسر آئیں، روٹی کہاں سے کھائیں اور تن ڈھانپنے کو کپڑا کہاں سے لائیں۔ یہ بات ہمیں تسلیم کر لینی چاہیے کہ افلاس انسان کی اخلاقی اور روحانی قدروں کو برباد کر دیتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کادالفقران یکون کفرا۔ (مشکوٰۃ)

قریب ہے کہ مفلسی انسان کو کفر تک پہنچا دے۔

وہ شخص جس کے پاس پیٹ بھرنے کے لیے روٹی نہ ہو اور تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا نہ ہو، وہ اس بات پر کان نہیں دھر سکتا کہ زندگی کا مقصد اللہ کی محبت اور اس کی عبادت ہے۔ شیخ شیراز نے بجا کہا تھا:

چناں قحط سالے شُد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق

(ایک سال دمشق میں ایسا قحط پڑا کہ یار لوگوں کو عشق و عاشقی کی سب باتیں بھول گئیں)

پاکستان میں بھی دولت چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ آئی اور معاشرہ

بھوک اور ننگ کے ہاتھوں کراہنے لگا۔ عوام کی زبانوں پر ایک ہی سوال ہے۔ ہمارے معاشی مسائل کا حل تمہارے پاس کیا ہے؟ اس سوال نے اس شدّت کے ساتھ سر اُٹھایا ہے کہ آپ اسے ٹال نہیں سکتے۔ اس سوال کا جواب دیجئے اور واضح اور متعیّن جواب دیجئے۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، وہ عبادت بھی ہے، روحانیت بھی۔ وہ تدبیرِ منزل بھی ہے اور اصولِ تمدن بھی، وہ ہماری سیاست بھی ہے اور ہماری معیشت بھی۔ آیئے ہم کتاب وسنت کی روشنی میں اپنے معاشی مسائل کا حل تلاش کریں۔

سرمایہ کا چند ہاتھوں میں سمٹ آنا بدترین اور سنگین جرم ہے

یہ بات تو بالکل صاف اور واضح ہے کہ معاشرے میں دولت کا چند ہاتھوں میں سمٹ آنا، اسلامی نقطۂ نظر سے ایک بدترین اور سنگین جرم ہے۔ اللہ پاک کہتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (التوبة:۳۴،۳۵)

(جو لوگ معاشرے کا خون چوستے ہیں اور سرمایہ سمیٹتے ہیں اور اللہ کی خاطر معاشرے پر اسے خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک سزا کی خبر

دو۔ جس روز دوزخ کی آگ میں اسے گرم کیا جائے گا اور اسی
دولت سے ان کی پیشانیاں، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھ داغی جائے
گی۔ یہی ہے وہ دولت جو تم اپنے لیے سمیٹ سمیٹ کر رکھتے تھے۔
پس دولت سمیٹنے کا مزہ چکھو)

اسلام یہ چاہتا ہے کہ سرمایہ معاشرے میں یوں گردش کرے جیسے رگوں میں خون دوڑتا ہے۔ وہ نظام جس میں چند افراد بے زمام اور بے مہار ہو کر کھیل کھیلتے ہوں اور معاشرے کا خون چوستے ہوں۔ اسلام اسے باطل نظام قرار دیتا ہے۔ وہ ہمیں خبردار کرتا ہے:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ط (الحشر:۷)

(ایسا نہ ہو کہ دولت صرف سرمایہ داروں ہی میں گردش کرتی رہے)

اکتناز کی بدترین صورت سود کا کاروبار ہے۔ وہ سودی کاروبار ہی ہے جس نے ساری اجتماعی معیشت کی باگ دوڑ چند خود غرض سرمایہ داروں کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بجا کہا تھا:

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبّر، یہ سیاست
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

ذخیرہ اندوزی حرام ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ۔ (شرح مشکوٰۃ، کتاب البیوع طیبی)

﴿احتکار (ذخیرہ اندوزی) کرنے والے پر اللہ کی پھٹکار ہے﴾

شریعت کی بولی میں احتکار سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص بعض اجناس کی بہت بڑی مقدار اس لیے خریدتا ہے کہ بازار میں وہ اجناس کم یاب ہو یا نایاب ہو جائیں اور لوگ مجبور ہو جائیں کہ اسی کی طرف رجوع کریں۔ وہ من مانی قیمت لگائے اور اجناس کا نرخ خود ٹھہرا دے، لوگوں کو وہی نرخ قبول کرنا پڑے۔ ایسے شخص پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی پھٹکار ہو۔

اصولِ معاشیات قرآن مجید کی روشنی میں

قرآنِ مجید نے نظمِ معیشت کو متوازن کرنے کے لیے چند اصول انسان کو بخشے۔ قرآنِ مجید اس بات پر زور دیتا ہے کہ:

هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرۃ:۲۸)

(وہی ہے جس نے تمہارے لیے یہ سب کچھ پیدا کیا جو روئے زمین پر ہے)

اور سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں ہے:

وَقَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ○

(حٰمٓ السجدۃ:۱۰)

(چار معین مدتوں میں روئے زمین پر مختلف غذاؤں کو اندازے سے پیدا کیا۔ تمام ضرورت مندوں کا ان غذاؤں پر برابر کا حق ہے)

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ

سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۝ (النحل:۷۱)

(اور اللہ نے تم کو ایک دوسرے پر رزق میں برتری عطا کی ہے۔ پھر جن کو برتری عطاء کی گئی ہے وہ اپنا رزق اپنے زیردستوں کو نہیں لوٹاتے ہیں کہ وہ اس میں برابر کے شریک ہو جائیں۔ پھر کیا یہ اللہ کی نعمتوں کے صریحاً منکر نہیں ہو رہے ہیں؟)

ان آیتوں سے یہ بات واضح ہوئی کہ قرآن مجید اس بات پر زور دیتا ہے کہ اللہ ہی نے رزق کی تمام انواع واقسام پیدا کی ہیں۔ وہی ہر فرد کی کفالت کرنے والا ہے اور اللہ کی مخلوق کو اس کی پیدا کی ہوئی غذاؤں پر برابر کا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ۝ (الواقعة: ٦٣، ٦٤)

(جو تم کھیتی باڑی کرتے ہو کیا تم نے اس پر نظر ڈالی ہے؟ کیا انہیں تم اگاتے ہو یا ان کے اُگانے والے ہم ہیں؟)

یہ ہوائیں کون چلاتا ہے۔ کون ہے جو مینہ برساتا ہے۔ یہ دھوپ کس نے پیدا کی ہے، جس کی کرنوں سے تمہاری فصل پکتی ہے۔ اگر یہ سب کچھ ہمیں نے پیدا کیا ہے تو اسے ہماری خاطر معاشرے پر خرچ کرنے سے دریغ کیوں کرتے ہو؟

گردشِ دولت کا نظام

دولت کو گردش میں لانے کے لیے اور معاشرے کے تمام افراد میں

پھیلانے کے لیے اسلام نے یہ ترغیب دی کہ:

اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ۔ (البقرة:٢٦٧)

(جو کچھ تم نے کمایا ہے اور جو کچھ زمین سے ہم نے تمہارے لیے نکالا اس کا بہترین حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور ردّی چیزیں چھانٹ چھانٹ کر اللہ کی راہ میں نہ دیا کرو)

زکوٰۃ و عُشر

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور زکوٰۃ کو واجب ٹھہرایا اور مالداروں سے ڈھائی فیصد رقم جبراً وصول کرنے کا حکم دیا اور یہ اسلام میں کروڑوں کی رقم صرف مساکین کے لیے روزگار فراہم کرنے کے لیے وقف کر دی جاتی ہے۔

قانونِ وراثت

دولت کو گردش میں لانے کے لیے حکم دیا کہ ہر شخص کی وفات پر اس کے مال اور اس کی زمین کو اس کے قریب کے اور دور کے رشتہ داروں میں بانٹ دیا جائے۔ جائیداد کے حصے بخرے کر دیئے جائیں تا کہ مرکوز نہ ہو۔ اولادِ اکبر کی جانشینی کا قانون (LAW OF PRIMOGENITE) مشترکہ خاندان کا طریقہ (JOINT FAMILY SYSTEM) اسلام نے اسی لیے ناجائز قرار دیا کہ اس سے دولت مرکوز ہوتی ہے۔

اس مقصد کے پیشِ نظر کہ نظامِ معیشت غیر متوازن نہ ہو۔ حکم دیا:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔ (النسآء: ۲۹)

(اے ایمان والو ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقوں سے نہ کھایا کرو)

ہر وہ بات جس سے نظمِ معیشت کے بگڑ جانے کا خدشہ تھا اور اس کے غیر متوازن ہونے کا امکان تھا، ناجائز قرار دی گئی۔ سُود خواری، رشوت ستانی، ذخیرہ اندوزی، سٹہ (SPECULATION) اور تجارتی قمار بازی کو حرام ٹھہرا دیا گیا۔

یوں اسلام زکوٰۃ، عشر اور قانونِ وراثت کو نافذ کر کے اور سود خواری ذخیرہ اندوزی اور تجارتی قمار بازی کو حرام ٹھہرا کر ایک متوازن معیشت قائم کرتا ہے۔

یہ سمجھنا صریحاً غلط ہے کہ زکوٰۃ اور عشر ادا کرنے کے بعد سرمایہ دار کے مال پر معاشرہ کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ:

اِنَّ فِی الْمَالِ حَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ۔ (جامع ترمذی)

(یقیناً مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی معاشرے کا حق ہے)

قرآن مجید ہر قانون کی تمام ارتقائی کڑیوں کو محفوظ کرتا ہے تاکہ جب بھی کسی معاشرے میں اسلامی قوانین کو نافذ کیا جائے وہ انہی ارتقائی منزلوں سے گزرا کریں۔ جیسے شراب کی حرمت کا قانون جن مرحلوں سے گزرا، قرآن مجید نے ان تمام مرحلوں کو محفوظ کیا۔

حرمتِ شراب کا پہلا مرحلہ یہ تھا:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى۔ (النسآء: ٤٣)

(نماز کے قریب مت جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو)

اور حرمتِ شراب کی آخری ارتقائی منزل کا ذکر اس آیت میں کیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ ۔ (المآئدۃ: ٨٩)

(اے ایمان والو شراب، جوا، بُت اور پانسے شیطانی عمل کی نجاست ہے تم اس سے دور ہٹ جاؤ)

اسی طرح اسلام کے نظامِ معیشت کی آخری ارتقائی منزل قرآن نے یوں بیان کی ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ۬ (البقرۃ: ٢١٨)

یہ لوگ جن کے پاس سرمایہ ہے آپ ﷺ سے آ کر پوچھتے ہیں کہ ہمیں کس حد تک خرچ کرنا ہوگا۔ آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہاری ضرورت سے زائد جو کچھ ہے وہ تمہیں معاشرے پر خرچ کر دینا چاہیے۔

حکیم الامت اقبال علیہ الرحمتہ نے اسی آیت کی طرف اشارہ کیا:

جو حرف قُلِ الْعَفْوَ میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں، مصر کے بہت سے علماء نے بھی یہ بات کہی ہے۔ میں دانستہ طور پر ایک ثقہ عالم کا حوالہ دیتا ہوں اور کسی تجدّد پسند کا حوالہ نہیں

دیتا کہ آپ کے نزدیک ان کی ثقافت محلِ نظر ہو۔ میری مراد مولانا محمود حسنؒ سے ہے۔ ''ایضاح الادلہ'' میں هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ف کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جملہ اشیاء بدلیل فرمان واجب الاذعان'' خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ف تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی غرضِ خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس (انسان) ہے اور کوئی شے فی حد ذاتہ کسی کی مملوکِ خاص نہیں، بلکہ ہر شے اصل خلقت میں جملہ ناس میں مشترک ہے اور بن وجہ سب کی مملوک ہے۔ ہاں بوجہ رفع نزاع وحصول انتفاع قبضہ کو علّتِ ملک مقرر کیا گیا اور جب تک کسی شے پر ایک شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی رہے اس وقت تک کوئی اور اس میں دست درازی نہیں کر سکتا، ہاں خود مالک وقابض کو چاہیے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے، بلکہ اس کو اوروں کے حوالے کر دے، کیونکہ باعتبار اصل اوروں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مالِ کثیر حاجت سے بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہوا گر زکوٰۃ بھی ادا کر دی جائے اور انبیاء علیھم السلام اور صُلحاً اس سے نہایت مجتنب رہے۔ چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے بلکہ بعض صحابہ ﷺ وتابعینؒ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرما دیا۔ (صفحہ ۲۶۸)

قل العفو کا مفہوم حضرت ابوسعید خدری ﷺ کی روایت کردہ حدیث وضاحت سے متعین کرتی ہے:

عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ ﷺ قال من کان معه

فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له و من كان له فضلٌ من زاد فليعد به على من لا زاد له فذكر من اصناف المال ما ذكر حتى رأينا انه لا حق لا حدٍ منا في فضلٍ۔ (المحلّٰى جلد ۶، صفحہ ۱۵۷:۱۵۸)"

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس فالتو سواری ہو وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد غذا ہے وہ ان لوگوں کے حوالے کر دے جن کے پاس غذا نہیں ہے۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک ایک جنس اور مال کی ایک ایک قسم کا جُدا جُدا ذکر کیا حتیٰ کہ ہماری یہ رائے ہو گئی کہ فالتو مال پہ ہمارا کوئی حق نہیں رہا۔

یہ رأینا جو یہاں ہے اس کے یہ معنی نہ خیال کیجئے کہ "ہم نے یہ خیال کیا۔" یہ میں عربی کے طالب علموں سے کہہ رہا ہوں..... فقہ کی بولی میں ہم رُأینا، اس وقت کہتے ہیں جب ہم کوئی فتویٰ دے رہے ہوں اور اپنی علمی رائے کا اظہار کر رہے ہوں۔ پس یہ جو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"حتیٰ رأینا انه لاحد حق لا منا فی فضلٍ" تو اس کا معنی یہ ہوا۔ حتیٰ کہ ہماری یہ فقہی رائے ہو گئی کہ فالتو مال پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔

کیا اسلامی حکومت جبراً چھین سکتی ہے؟

اس بارے میں ایک سوال بہت اہم ہے جو ہمارے سامنے آتا ہے۔ اگر دولت چند افراد کے ہاتھوں میں یوں سمٹ آئی ہو کہ خدشہ ہو کہ یہ اصول

معاشیات جو میں نے بیان کیے ہیں ان کو تدریجی اور ارتقائی طور پر نافذ کرنے سے پہلے ہی یہ معاشرہ دم توڑ دے گا اور کیفیت یہ ہو کہ:

''تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مُردہ شود'' تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

امام ابن حزمؒ نے جو ایک عظیم انقلابی مفکر ہیں، المحلّٰی کی چھٹی جلد میں بہت فاضلانہ بحث اس پر کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کتاب وسنت کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر معیشت یکسر غیر متوازن ہوگئی ہو اور خدشہ ہو کہ تدریجی اور ارتقائی طور پر اصولِ معاشیات کے نفاذ سے پہلے ہی معاشرہ دم توڑ دے گا، تو اسلامی حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سرمایہ داروں سے پیسہ اور غلّہ جبراً وصول کرے۔ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ دیکھو قرآن مجید یہ بار بار کہتا ہے کہ سرمایہ داروں کی دولت میں مساکین کا ''حق'' ہے۔ قرآن مجید لفظ ''حق'' بار بار استعمال کرتا ہے:

وَفِیٓ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ٥ (الذّٰریات:۱۹)

اوران کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (دونوں) کا حق ہوتا تھا۔

اور سورۂ اسرٰی میں ہے:

واٰتِ ذَاالۡقُرۡبٰی حَقَّهٗ وَالۡمِسۡکِیۡنَ۔ (بنیٓ اسرآئیل:۲۶)

رشتہ داروں اور محتاجوں کا حق ادا کرو۔

وہ فرماتے ہیں کہ اس میں احسان کا کوئی سوال نہیں ہے اور جن کی

طرف مال لوٹا یا جا رہا ہے وہ سرمایہ داروں کے رہینِ منت نہیں۔ امام ابنِ حزمؒ المحلّٰی کی چھٹی جلد میں یوں رقمطراز ہیں:

''اگر اربابِ ثروت ایسے عادلانہ معاشی نظام کو منظور نہ کریں، تو اسلامی سٹیٹ کا فرض ہے کہ اسلام کے اجتماعی معاشی نظام کے مطابق اربابِ ثروت کو قانوناً مجبور کرے اور اگر ملّی خزانے کا میزانیہ کافی نہ ہو تو محروم المعیشت انسانوں کو سنبھالا دینے کے لیے صنعت کاروں اور جاگیرداروں سے پیسہ اور غلّہ بہ جبر حاصل کر کے حقِ معیشت کی مساوات بروئے کار لائے خواہ اہلِ دولت مالیانہ اور سرکاری واجبات ادا کر چکے ہوں۔''

(المحلّٰی ۱۵۶/۶/۱۳۔ نیز ۱۵۶/۶/۱۲۔ ایضاً ۱۵۸/۶ / ۳ تا ۴۔ ۷ تا ۱۰)

حضرت ابوعبیدہ ؓ بن جراح اور تین سو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے باوثوق ذرائع سے بیان کیا ہے کہ ایک سال غلّہ کا قحط ہوا۔ حضرت ابوعبیدہ ؓ نے ہم سب کو حکم دیا کہ ہم سب اپنا غلّہ سٹاک کرنے کے مرکزوں میں اکٹھا کر دیں۔ پھر حضرت ابوعبیدہ ؓ ان مراکز میں سے خود ہر ایک فرد کو مساوی طور پر خوراک دیتے رہے۔

اس کے بعد امام ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں:

فهذا اجماع مقطوع به من الصحابة لا متخالف لهم منهم۔

(اس پر صحابہ ؓ کا قطعی اجماع ہے۔ ان میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا ہے)

یحییٰ بن آدمؒ، جو ایک جلیل القدر محدّث تھے، نے زراعت کے موضوع پر اپنی کتاب ''الخراج'' میں لکھا ہے:

عن عبداللّٰہ ابن ابی بکر قال جآء بلال بن الحارث المزنی الٰی رسول اللّٰہ ﷺ فاستقطعه ارضًا فاقطعها له طویلة عریضة فلماقال عمرؓ قال له یا بلالؓ الک استقطعت رسول اللّٰہ ﷺ ارضا طویلة وعریضة ۔ فقطعهالک وکان رسول اللّٰہ ﷺ لم یکن یمنع شیئًا له وانت لا تطیق مافی یدیک فقال اجل فقال فانظر ماقویت منها فامسکه مالم تطق ومالم تقو علیه فارفعه الینا نقسمه بین المسلمین فقال لا افعل ۔ واللّٰہ اقطعیته رسول اللّٰہ ﷺ فقال عمر واللّٰہ لتفعلن ۔ فاخذ منه ماعجزعن عمارته فقسمه بین المسلمین۔

یعنی حضرت ابوبکرؓ کے فرزند حضرت عبداللہؓ جو حضور ﷺ کے محبوب صحابی اور کفار مکہ کی سازشوں کی اطلاع دینے والے فدا کار مسلمان، جنگ مکہ سے لے کر طائفہ کے لوگوں تک حضور ﷺ کے دوش بدوش لڑنے والے تھے روایت کرتے ہیں کہ بلالؓ بن حارث المزنی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے زمین کا ٹکڑا مانگا۔ آپ ﷺ نے ایک لمبا چوڑا رقبہ عطا فرما دیا: جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے، تو حضرت بلالؓ! سے کہا: عمرؓ بن خطاب بلالؓ! تم نے رسول اللہ ﷺ سے زمین کا ایک لمبا چوڑا قطعہ مانگا اور آپ ﷺ نے عطا فرما دیا اور حضور ﷺ کا تو یہ عالم تھا کہ

مانگنے والے کی کسی بات کو رد نہ کرتے تھے۔ بلال ؓ زمین کی جو مقدار تم نے حاصل کی ہے وہ تمہاری بساط اور قوتِ کاشت سے زیادہ نہیں ہے؟

بلال ؓ! ہاں یہ ٹھیک ہے۔

عمر ؓ بن خطاب! دیکھو تم جتنی زمین آباد کر سکتے ہو اسے اپنے پاس رہنے دو اور جو تمہاری قوتِ کاشت سے زیادہ ہے، وہ ہمارے حوالے کر دو۔ تاکہ ہم اسے مسلمانوں میں بانٹ دیں۔

بلال ؓ! میں ہرگز واپس نہیں کروں گا۔ اللہ کی قسم یہ قطعۂ زمین تو خود رسول اللہ ﷺ نے مجھے بخشا تھا۔ میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔

عمر ؓ بن خطاب! اللہ کی قسم تم کو ایسا کرنا پڑے گا۔

پس زمین کا وہ حصہ جسے آباد کرنے سے بلال ؓ بن حارث قاصر رہے تھے۔ حضرت عمر ؓ نے اسے چھین لیا اور مسلمانوں میں اسے بانٹ دیا۔ (کتاب ''الخراج'' یحییٰ بن آدم ص ۹۳ سطر ۲ تا ۱۰۔ نیز کنز العمال جلد: ۱۹۱/۲۔ بیہقی ۱۴۸/۶۔ ۳۱ص ۱۴۹ سطر ۱۱)

''میں کہتا ہوں کہ اگر محمد ﷺ کی بخشی ہوئی زمین ملّی مفاد کی خاطر چھینی جا سکتی ہے، تو وہ جاگیریں جو مسلمانوں پر گولیاں برسانے کے صلے میں دی گئی تھیں...... وہ جاگیریں جو مسلمانوں کا لہو بہانے کے صلے میں عطا کی گئی تھیں...... وہ جاگیریں جو ملک و ملت کے ساتھ غدّاری کے صلے میں بخشی گئی تھیں...... کیوں نہیں چھینی جا سکتیں؟

میں واضح طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ اس ملک میں غریب اور مزدور کی

حمایت کا حق ادا نہیں کیا گیا۔ میں مجمع الزوائد میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد پڑھ رہا تھا اور سر دھن رہا تھا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

خیر الکاسب العامل اذا نصح۔

(کسب معاش کرنے والوں میں سب سے بہتر اور معزز مزدور ہے، جب وہ اخلاص کے ساتھ کام کرتا ہے)

حضور ﷺ نے مزدور کو معاشرے کا معزز ترین فرد قرار دیا۔

ہمیں یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ ہم نے اس معاشرے میں مزدور کی توہین و تذلیل کی ہے۔ اس کا دامن، اس کا گریباں ہماری دست درازیوں سے گلہ مند ہے۔ اس ملک میں عین اس وقت جب کہ مزدور پٹ رہا تھا اور زخموں سے کراہ رہا تھا ہم نے اس کے زخموں پر نمک چھڑکا۔ ہم نے اس سے کہا اور ٹھوکر دے دے کر کہا کہ دیکھو یہ ٹھیک ہے تم کہتے ہو سرمایہ دار پر تمہارے حقوق ہیں، مگر یہ ہرگز نہ بھولنا کہ تم پر بھی سرمایہ دار کے حقوق ہیں۔

ہم نے اس سے یہ بات عین اس وقت کہی جبکہ وہ سسکیاں لے لے کر دم توڑ رہا تھا۔

ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد

ہر بات کا ایک محل ہوتا ہے۔ میں ایک موٹی سی مثال دیتا ہوں۔ دو بھائیوں کی آپس میں لڑائی ہو جائے۔ آپ دیکھیں کہ ایک موٹا مُسٹنڈا ہے اور دوسرا جو کمزور اور نحیف و نزار ہے، مجروح ہے پٹ رہا ہے اور نزع کی حالت میں پنڈلی پر پنڈلی پٹک رہا ہے، اگر اس وقت کوئی آ کر اس دم توڑنے والے کو

چھبیاں دے دے کر یہ کہے کہ یہ ٹھیک ہے گو تم مر رہے ہو اور دم توڑ رہے ہو، مگر تم یہ نہ بھولنا کہ اس ہٹے کٹے بھائی کے بھی تم پر حقوق ہیں...... یہ بات اس ملک میں کہی گئی۔ عین اس وقت جب کہ غریب اور مزدور کے پیٹ میں بھوک سے قراقر اُٹھ رہا تھا، ہم نے اس سے یہ کہا کہ دیکھو تمہاری زندگی کا مقصد پیٹ نہیں دل ہے۔ وہ بھوکا تھا، وہ دل کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ عین اس وقت جب کہ وہ بھوک سے پیچ و تاب کھا رہا تھا، ہم اللہ کی محبت کے گیت اس کو سنانے لگے۔ وہ بھوک سے نڈھال تھا، وہ محبت کے گیتوں سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ہم سے روٹی مانگتا رہا۔ ہم اسے محبت کے گیت سناتے رہے۔ نتیجہ کیا ہوا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سرُخ جھنڈیاں لے کر چوراہوں میں ناچنے لگا۔ وہ مذہب سے برگشتہ ہوا، وہ علماء سے برگشتہ ہوا حتیٰ کہ وہ اللہ سے برگشتہ ہوا۔ وہ سُرخ جھنڈیاں لے کر چوراہوں میں ناچ رہا تھا۔ ہاں وہ غیروں سے اپنی وابستگی کا اعلان کر رہا تھا۔ میں نے جو اسے دیکھا، تو میرے ذہن کو کوئی جھٹکا نہ لگا، اس لیے کہ میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کہا تھا کہ **کادالفقران یکون کفرا۔**

(مفلسی انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے)

دیکھیے معاشی مسائل کا حل واضح اور متعین پیش کیجئے۔ مزدور اس ملک میں صدیوں سے ماںتا سے محروم ہے۔ اس کے زخموں پر نمک مت چھڑکیں۔ اس کو ماںتا بخشیں۔ اس سے جھگڑا نہ کریں۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس ملک میں سوشلزم نہ آئے، تو اس کا علاج یہ تو نہ تھا؟ منبر و محراب سے غلط آوازیں اُٹھتی رہیں۔ آپ یقین کیجیے کہ اگر مزدور اور غریب کے معاشی مسائل کا واضح اور

متعین حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پیش نہ کیا گیا اور اگر مزدور کا غم کھانے میں ہم سوشلسٹوں سے آگے نہ نکل گئے (جیسا کہ حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات کا تقاضا ہے)

تو یہ عارضی بند جو سوشلزم کے اُمڈتے ہوئے سیلاب پر باندھا گیا ہے۔ ٹوٹ جائے گا اور اس کی موجیں جو ابھی تک پایاب ہیں، ہمارے سروں سے گزر جائیں گی۔

حضرت سید ابو بکر غزنویؒ کی یاد میں

حضرت سید ابو بکر غزنویؒ کے آباؤ اجداد میں سب سے پہلے جس شخصیت نے برصغیر پاک و ہند کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے نوازا، وہ ولی کامل، عارف باللہ حضرت سید عبداللہ غزنویؒ تھے، جو غزنی (افغانستان) کے رہنے والے تھے اور انہیں اپنے خالص عقیدۂ توحید، کامل اتباعِ سنت اور پیروئ مسلکِ سلف کے جرم میں افضل خاں امیرِ کابل کے دورِ حکومت میں افغانستان سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ آپ نے افغانستان سے ہجرت کر کے اپنے خاندان سمیت امرتسر کو اپنا مسکن بنایا اور یہاں توحید و سنت کی تبلیغ و اشاعت اور تعلیم کتاب و حکمت کا ایک مرکز قائم کر دیا، آپ ایک عظیم المرتبت بزرگ، بلند پایہ داعی الی اللہ، توحید و سنت کے بے لوث مبلغ اور قرآن و حدیث کے بے باک ترجمان تھے، اپنے اور بیگانے سبھی آپ کی ولایت و بزرگی کے قائل ہیں۔ مولانا سید عبدالحیؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "نزھۃ الخواطر" میں صاحب المقامات "الشھیرۃ والمعارف العظیمۃ الکبیرۃ" کے پرشکوہ الفاظ میں آپ کا تذکرہ کیا ہے اور آپ کو اپنے زمانہ کے لئے باعثِ برکت اور ہندوستان کے لیے باعثِ زینت لکھا ہے۔

آپ کے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ روحانی معارف اور باطنی مقامات کی روایات حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، یہ بات تو آپ نے بارہا سنی ہوگی کہ آپ کے استاد گرامی منزلت حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم باعمل اور محدث تھے، فرمایا کرتے تھے:

''مولوی عبداللہ حدیث مجھ سے پڑھ گیا اور نماز پڑھنی مجھے سکھا گیا۔''

مولانا محی الدین احمد قصوریؒ لکھتے ہیں:

میرے ایک استاد مولوی حافظ عبدالرحمٰن مرحوم تھے، جن سے میں نے حدیث کی مشہور کتاب ''ریاض الصالحین'' پڑھی، فرمایا کرتے تھے کہ قیامِ امرتسر میں جب وہ حضرت مولانا سے حدیث پڑھا کرتے تھے، تو ان کی محویت کے عجیب و غریب واقعات دیکھنے میں آئے:

ایک مرتبہ عصر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ یکا یک سخت بارش شروع ہو گئی، ایسی سخت کہ مقتدی سب نماز چھوڑ کر بھاگ گئے، صرف دو چار رہ گئے، نماز سے فارغ ہو کر جب دعاء کے لئے ہاتھ اٹھائے تو ہاتھ سب کیچڑ سے بھرے ہوئے تھے، فرمانے لگے: ''باراں شد، واللہ عبداللہ را خبر نہ شد (بارش ہوئی لیکن اللہ کی قسم عبداللہ کو خبر تک نہ ہوئی) (داؤد غزنوی، ص ۱۴)

اس طرح علامہ اقبالؒ کی دو روایتیں آغا شورش کاشمیریؒ نے نقل کی ہیں:

1. دہلی میں (شیخ عبداللہ غزنویؒ) تھے یہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کا زمانہ تھا، گورا فوج نے چاروں طرف گولیوں سے ہلاکت کا طوفان اٹھا رکھا تھا، مسجد میں اور گرد و نواح کا علاقہ خصوصیت سے اس قتل عام کا مرکز تھا، ظہر کی نماز کا وقت ہوا

تو آپ مسجد کے حوض پر آ گئے، گولیاں چلتی رہیں، رائی برابر کھٹکا محسوس نہ کیا، اس معجز نما جرأت کو دیکھ کر مقتدیوں نے بھی حوصلہ کیا اور گولیوں کی بوچھاڑ میں وضو کر کے نماز میں مشغول ہو گئے۔ (داؤد غزنوی ص:٦٥)

● علامہ اقبالؒ جیسے فلسفی شاعر اور ماہر تعلیم نے آپ کے طریقِ درس کو بڑے طمطراق کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انہوں نے 19 دسمبر ۱۹۲۲ء کو اپنے ایک مکتوب بنام منشی محمد دین فوق میں لکھا ہے:

مولوی عبداللہ غزنویؒ حدیث کا درس دے رہے تھے کہ ان کو اپنے بیٹے کے قتل کیے جانے کی خبر ملی، ایک منٹ تامل کیا اور پھر طلبہ کو مخاطب کر کے کہا:

ما برضائے او راضی ہستیم، بیا آید کہ کارِ خود بکنیم

(میں اس کی رضا پر راضی ہوں، آؤ ہم اپنا کام جاری رکھیں)

یہ کہہ کر درس میں مشغول ہو گئے۔ (انوار اقبال ص ۷۱)

نماز میں یہ خشوع وخضوع اور درسِ حدیث میں یہ استغراق وانہماک اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق وعنایت کے بغیر ممکن نہیں اور اس طرح کا بے پایاں لطف وکرم حضرت عبداللہ غزنویؒ کے شاملِ حال تھا۔

اللہ تعالیٰ نے روحانی کمالات کی فراوانی کے ساتھ کثرتِ اولاد کی نعمت سے بھی آپ کو سرفراز فرمایا تھا۔ آپ کے بارہ بیٹے اور پندرہ بیٹیاں تھیں، یوں تو آپ کے تمام صاحبزادگانِ گرامی ہی جید علماء اور بلند پایہ محدث تھے لیکن آپ کے صاحبزادے مولانا سید عبدالجبار غزنویؒ جو بعد میں حضرت الامام کے لقب سے مشہور ہوئے، اپنے والد گرامی کی سچی تصویر تھے۔ مولانا سید عبدالحی رحمہ اللہ

تعالیٰ نے آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

ان کی ولایت اور جلالتِ شان پر اہلِ زمانہ کا اتفاق ہے۔ ۱۳۳۱ھ میں انہوں نے وفات پائی، امرتسر میں وہ اپنے خاص رنگ میں قرآن مجید کا درس دیتے تھے "ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد" کے بمصداق سننے والوں کے دلوں پر وہ اثر پڑتا تھا، جو بڑے بڑے عالمانہ ومحققانہ درسوں، علمی موشگافیوں اور فنی نکتہ آفرینیوں کا نہیں پڑتا۔ رجب ۱۳۲۰ھ (اکتوبر ۱۹۰۲ء) میں ندوۃ العلماء کا امرتسر میں سالانہ اجلاس تھا۔ ہندوستان کے چوٹی کے علماء اور مشاہیر شریک تھے، نواب صدیار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی راوی ہیں کہ علامہ شبلیؒ بھی ایک دن اس درس میں شریک ہوئے، وہاں سے آکر اپنا تاثر بیان کیا اور فرمایا کہ "جس وقت وہ شخص اپنی زبان سے اللہ کا نام لیتا تو بے اختیار جی چاہتا تھا کہ سر اس کے قدموں پر رکھ دیجئے۔" انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ رات کے کھانے پر جلسہ کے سب مہمان جو ملک کے گوشہ گوشہ سے آئے تھے اور مقامی علماء اور معززین بھی شریک تھے، جس کمرہ میں کھانا کھلایا گیا تھا، اس میں بیچ کے ہال کے علاوہ بغل میں دائیں بائیں کمرے تھے، دسترخوان ایک تھا لیکن کمروں کے الگ ہونے کی وجہ سے ایک طرف کا آدمی دوسری طرف کے آدمی کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میری نشست جہاں تھی، وہاں مولانا عبدالجبار صاحب غزنویؒ بھی رونق افروز تھے، مولانا سید محمد علی مونگیریؒ ناظم ندوۃ العلماء

دوسری طرف کے کمرہ میں تھے، کھانے سے فراغت کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا کہ مولوی حبیب الرحمٰن! تمہارے پاس اور کون کون بیٹھا ہوا تھا؟'' میں نے چند مشاہیر کے نام بتائے، مولانا برابر پوچھتے رہے کہ اور کون تھا؟ آخر میں نے مولانا عبدالجبار غزنویؒ کا نام لیا، کہنے لگے کہ ہاں اب میں سمجھا۔ میرا دل بے اختیار اس طرف کھنچ رہا تھا، اس کی یہی وجہ تھی۔'' (پرانے چراغ حصہ دوم ص ۲۷۶)

حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادوں میں سے شہرت عام اور بقائے دوام حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ آپ کے بارے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ رقمطراز ہیں:

<u>سانچہ میں ڈھلا ہوا جمال ظاہری، حسن مردانہ اور افغانی وجاہت کا ایک پیکر، سرو قامت، دوہرا بدن، سرخ سفید رنگ، چہرہ پر حسب نسب کا نور، معلوم ہوتا تھا کہ کوئی فرشتہ آسمان سے اتر کر فرش زمین پر آ گیا ہے، لباس بھی نظیف و جمیل، ہر ادا سے خوش ذوقی اور سلیقہ نمایاں، بہت اچھی مجلسی گفتگو کرنے والے اور بہت اچھے مقرر......</u>

میں نے ان کی ایک تقریر خواجہ عبدالوحید صاحب کے مکان پر سنی، ایک مرتبہ احرار کے ایک جلسہ میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے سنا، سیاست میں مولانا آزادؒ کے ہم مسلک اور تحریک آزادی میں ان کے ہم مشرب، شروع سے مجلسِ احرار اسلام کے راہنماؤں میں رہے اور اس سلسلہ میں مولانا سید عطاء اللہ بخاریؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن غزنویؒ

کے ہم سفر و ہم رکاب، تقسیمِ ہند سے متصل پنجاب کانگرنس کے صدر بھی رہے، اس سیاسی دلچسپی و سرگرمی کے ساتھ صاحب مطالعہ اور صاحبِ درس، صاحبِ نظر اور صاحبِ ذوق عالم تھے، مولانا سید طلحہؒ صاحب کی ملاقات ہوتی تو نئی کتابوں ہی کا تذکرہ رہتا کہ مولانا سیاست کے مرد میدان نہ تھے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی کتاب "النبوات" کا سب سے پہلے میں نے ان ہی سے نام سنا، ان کی تعریف سے مجھے اس کے مطالعہ کا شوق ہوا اور معلوم ہوا کہ ان کی تصنیفات میں اس کا امتیازی مقام ہے۔

"مولانا داؤد صاحبؒ عیدین کی نماز منٹو پارک کے میدان میں پڑھتے تھے۔ ہمارے استاذ و شیخ مولانا احمد علیؒ لاہوری بالالتزام ان کے پیچھے نماز عیدین ادا کرتے، مولانا طلحہ صاحب اور بہت سے ان حضرات کا بھی یہی معمول تھا، جو مساجد میں عید کی نماز ادا کرنے پر میدان میں نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے اور اسے اقرب الی السنہ سمجھتے تھے، مجھے بھی کئی بار مولانا کے پیچھے عیدین کی نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، وہ اردو میں خطبہ بھی دیتے جو موثر اور دل پذیر ہوتا۔"

(پرانے چراغ حصہ دوم ص ۲۷۸، ۲۷۹)

اس وقت مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ یا خاندانِ غزنویہ کے دیگر بزرگوں کے مفصل حالات بیان کرنا مقصود نہیں ہے (تفصیل کے خواہش مند مولانا سید ابوبکر غزنویؒ کی کتاب ...... سیدی والی ...... کا مطالعہ فرمائیں) بلکہ اس وقت مقصود سید ابوبکر غزنویؒ کے بارے میں چند باتیں اپنے قارئینِ کرام کی خدمت

میں پیش کرنا ہے۔ سید ابوبکر غزنویؒ خاندانِ غزنویہ کے چشم و چراغ، انہی کی روایات کے امین، حضرت مولانا سید محمد داوٗد غزنویؒ کے فرزند ارجمند اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے پہلے وائس چانسلر تھے لیکن آپ کی عظمت کا انحصار صرف انہی بلند نسبتوں ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ کی عظمت کا اصل سرمایہ آپ کا علم و فضل اور حسنِ عمل ہے، جس کی بدولت آسمانِ رفعت پر ماہِ شب چہاردہم بن کر جگمگائے تھے۔

آپ پیکر شرافت، مجسم اخلاق اور نہایت منکسر المزاج تھے، مرنجان مرنج طبیعت کا مالک تھے، جس محفل میں ہوتے کشتِ زعفران بن جاتی، مزاج کے درویش، دل کے بادشاہ، دماغ کے غنی، زبان (بلکہ اردو، عربی، فارسی، انگریزی کئی زبانوں) کے دھنی، علم و فضل کے پہاڑ، حسن عمل کے بحر ذخار، تہجد گزار اور شب زندہ دار تھے۔ آپ کو دیکھنے سے معلوم یوں ہوتا کہ احسن الخالقین نے حب الٰہی، عشق رسول، علم و عمل، تڑپِ احیائے دین، ولولۂ جہاد، سوز و گداز اور حسن و جمال سے ایک انسان بنایا اور نام اس کا ابوبکر غزنویؒ رکھ دیا۔"

آپ نے اگرچہ باقاعدہ تعلیم کالج اور یونیورسٹی میں حاصل کی تھی لیکن آپ کے تحصیلِ علم کے شوق کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ فرصت کے لمحات میں اپنی آبائی درس گاہ "دارالعلوم تقویۃ الاسلام" کے اساتذہ کرام سے بھی کسبِ ضو کرتے، اسی پر بس نہیں بلکہ جب سرکاری تعلیمی اداروں میں موسم گرما کی تعطیلات ہوتیں تو آپ ملک کی ایک عظیم دینی درس گاہ...... جامعہ سلفیہ فیصل آباد (جس کے بانیوں میں ان کے والد گرامی مولانا سید محمد داوٗد غزنویؒ کا بھی نام ہے)

میں تشریف لے جاتے اور یہاں کے اساتذہ کرام بالخصوص حضرت العلام مولانا حافظ محمد محدث گوندلویؒ اور مولانا شریف اللہ خاںؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے اپنی علمی تشنگی کی تسکین کا سامان فراہم کرتے تھے (بندہ عاجز کو پہلے پہل آپ کی زیارت کا شرف جامعہ سلیفہ ہی میں حاصل ہوا تھا کہ میں بھی ان دنوں اسی مادرِ علمی میں حصولِ علم کی منزلوں کو طے کرنے میں مصروف تھا)

الغرض آپ نے بڑی محنت، لگن اور شوق سے اپنے تئیں قدیم وجدید علوم سے آراستہ کیا اور بہت جلد ممتاز علمی مقام پیدا کر لیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اسلامیہ کالج لاہور اور انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے عربی اور اسلامیات کے شعبوں کی سربراہی سے ہوتے ہوئے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے وائس چانسلر کے منصب پر فائز ہو گئے۔ آپ اس یونیورسٹی کے سب سے پہلے وائس چانسلر تھے اور حکومت کے حسنِ انتخاب کی بہترین مثال، اسلامک سٹڈیز کے علاوہ شعروادب اور تصوف آپ کے خاص موضوع تھے بلکہ کہنا یوں چاہئے کہ آپ کی شخصیت شعروادب اور تصوف کا نہایت حسین امتزاج تھی۔ خطابت کی وادی میں قدم رکھا تو بہت جلد اپنا لوہا منوا لیا، اس باب میں کوئی آپ کا سہیم وشریک نہ تھا، ملک کے در و دیوار آپ کی منفرد اور بے مثل خطابت کے شاہدِ عدل ہیں، آپ جب خطاب فرماتے تو مجمع پر ایک عجب سناٹا طاری ہو جاتا، آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے شعروادب، تصوف، تاریخ اور سیاست کی روشنی میں قرآن وحدیث کے دلائل کے ساتھ حقائق ومعارف کا ایک چشمہ ابل پڑتا اور لوگ تصویرِ حیرت سے آپ کے رخِ آتشیں کو تکتے رہ جاتے۔

آپ اردو، عربی، فارسی، پنجابی اور انگریزی زبان پر یکساں قدرت رکھتے تھے، جب ان میں سے کسی بھی زبان کو اظہار خیال کا ذریعہ بناتے تو اہل زبان کا سا گمان گزرتا۔ نہایت پاکیزہ، شستہ، فصاحت و بلاغت میں ڈوبی ہوئی اور کوثر و تسنیم میں ڈھلی ہوئی زبان استعمال کرنا آپ کی فطرت بن چکا تھا، جن لوگوں نے آپ کی تقاریر کو سنا یا آپ کے مقالات اور کتب کو پڑھا ہے، وہ ہماری اس بات کی یقیناً تصدیق کریں گے۔

آہ! ۲۴ اپریل ۱۹۷۶ء کی وہ شام کس قدر یاس انگیز تھی، جب لندن کے افق پر پاکستان ہی نہیں عالم اسلام کا یہ بے مثل آفتاب غروب ہو گیا تھا۔ آپ لندن نے ایک اسلامی میلے میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے تھے کہ چار پانچ اپریل کی درمیان شب سڑک عبور کرتے ہوئے کار کے حادثہ میں شدید زخمی ہو گئے، ۲۰ دن تک لندن کے ویسٹ منسٹر ہسپتال میں زیر علاج رہے مگر زخم کاری ثابت ہوئے اور بالآخر یہ مردِ حق آگاہ اللہ اللہ کرتے ہوئے اسی ہسپتال میں ۲۴ اپریل کی شام اپنے اللہ کے حضور جا پہنچے رحمه الله تعالیٰ رحمة واسعة۔

اگرچہ دنیا کے اس پُل پر سے گزر کر آخرت کی طرف ہر انسان کو جانا ہے مگر ان جانے والوں میں کچھ شخصیتیں حضرت سید صاحبؒ جیسی بھی ہوتی ہیں کہ ان کی وفات حسرت آیات سے سوگواری کا گہرا احساس چھا جاتا ہے، لہو کے دیپ جل اٹھتے ہیں اور سیلِ اشک ہیں کہ تھمتے ہی نہیں۔

جب نام تیرا لیجئے، تب چشم بھر آوے

ربع صدی سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود ہماری کیفیت بھی وہی

ہے، جو آپ نے ''امان قریش'' کے بارے میں اپنے مضمون مطبوعہ ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور میں درج اس شعر کے ذریعہ بیان فرمائی تھی ۔

روزِ کہ ذرّہ ذرّہ شود استخوانِ من
باشد ہنوز در دلِ ریشم ہوائے تو

(جس دن میری ہڈیاں گل کر ذرّوں میں بکھر جائیں گی، میرے زخمی دل کے ریزوں میں جب بھی تیری محبت رچی بھری ہو گی)

برادر عزیز محمد سرور طارق نے جب یہ خوش خبری سنائی کہ وہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی کتاب ''حقیقۃ الزکوۃ'' کے ساتھ موضوع کی مناسبت سے حضرت سید ابوبکر غزنویؒ کے مقالہ ''اسلام میں گردشِ دولت'' کو بھی زیورِ طباعت سے آراستہ کرا رہے ہیں، تو اس تقریب سے میں سید صاحب کی یاد میں کھو گیا اور جی چاہا کہ...... ''اسلام میں گردشِ دولت'' کے قارئینِ کرام کو بھی ساتھ شامل کر لیا جائے، یہ چند سطور اسی لئے پیشِ خدمت ہیں اس دعاء کے ساتھ کہ اللہ رب ذوالجلال والاکرام سید صاحبؒ کو اعلیٰ علیّین میں بلند و بالا اور ارفع واعلیٰ درجات سے سرفراز فرمائے: مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝

محمد خالد سیف
طارق اکیڈمی

دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں سمیٹنے کا بہترین نسخہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ اس کے دس گناہ معاف اور دس درجے بلند فرمائے گا۔ (سنن نسائی)

مولانا ابوالکلام آزادؒ کا طرز تحریر اردو زبان کا ایک معجزہ ہے

امام الہند ابوالکلام آزادؒ کے معجز نگار قلم کے وہ علمی وادبی شاہپارے

جنہیں "طارق اکیڈمی" نے حسن طباعت سے آراستہ کیا

1. **انسانیت** موت کے دروازے پر
2. ولادتِ نبویؐ ورفعنا لک ذکرک
3. حقیقتِ صیام
4. اسلام کا نظریہ جہاد
5. حقیقتِ حج
6. قولِ فیصل
7. اصحابِ کہف و یاجوج ماجوج
8. مسلمان عورت
9. اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان
10. امر بالمعروف و نہی عن المنکر

خصوصیات

- کمپیوٹر کتابت
- عربی، فارسی اشعار اور عبارتوں کا ترجمہ
- آیات و احادیث کے حوالہ جات
- رنگین ٹائٹل، اعلیٰ کاغذ